ماھنامہ

حکمت بالغہ

ستمبر 2009

مدیر: انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اور فیکس: 0092-47-7628361

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ http://jhanghikmat.co.cc/ یا

www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

فرمانِ خداوندی

کہہ دو اے یہود

اگر تم کو یہ دعویٰ ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو اَور لوگ نہیں

تو (ذرا) موت کی آرزو تو کرو اگر تم سچے ہو

اور یہ ہرگز اس کی آرزو نہیں کریں گے ان (اعمال) کے سبب جو کر چکے ہیں

اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے

کہہ دو کہ موت جس سے تم گریز کرتے ہو

وہ تو تمہارے سامنے آ کر رہے گی

پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے

پھر جو جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ تمہیں سب بتائے گا

اے ایمان والو!

جب جمعے کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے

تو اللہ کی یاد کے لئے جلدی کرو

اور خرید و فروخت ترک کر دو

یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر سمجھو تو

پھر جب نماز ہو چکے

تو زمین میں بکھر جاؤ (اور اپنی اپنی راہ لو)

اور اللہ کا فضل تلاش کرو

اور اللہ کو بہت بہت یاد کرتے رہو

تا کہ نجات پاؤ

اور جب یہ لوگ سودا بکتا یا تماشا ہوتا دیکھتے ہیں

تو ادھر بھاگ جاتے ہیں اور تمہیں کھڑے کا کھڑا چھوڑ جاتے ہیں

کہہ دو کہ جو چیز اللہ کے ہاں ہے

وہ تماشے اور سودے سے کہیں بہتر ہے

اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے
صدق اللّٰہ العظیم

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں!
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں!
اقبالؔ

حرفِ آرزو

14 اگست 09ء کو ابھی 63 واں یوم آزادی روایتی جوش وخروش سے منایا گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ الفاظ کی تاثیر اور مفہوم میں قدرتی طور پر بھی خارجی حالات کی تبدیلی سے فرق آجاتا ہے۔ اور دشمن قوتیں اور قومیں بالارادہ بھی الفاظ کے مفہوم کو بدلنے کی کوشش میں سرگرداں رہتی ہیں ان کا ہدف بالعموم نوجوان نسل ہوتی ہے جو ناپختہ ذہن اور ناتجربہ کار ہوتی ہے۔ اس مہم کا حصہ یہ بھی ہے کہ نئی نسل کو اپنے اسلاف اور ماضی قریب کے رہنماؤں کے VISION اور فیصلوں سے بدظن کر کے اپنے نظریات سے کاٹ کر مخالف سمت پر رواں دواں دوڑنے پر مجبور کر دیا جائے۔

'آزادی' کا مفہوم علامہ اقبال کے ذہن میں کیا تھا؟ اور وہ ایک آزاد خطہ زمین مسلمانانِ ہند کے لئے کیوں چاہتے تھے؟ یہ بات ان کے کلام سے ظاہر ہے اور یہ تصور یقیناً ایک مثبت سوچ اور حقیقی آزادی ہی کا واضح نقشہ تھا جو اسلام کے روشن اور تابناک مستقبل کا عکاس تھا۔ آزادی کا یہ حقیقی تصور کم ہوتے ہوئے آج نظریہ پاکستان ٹرسٹ سے وابستہ لوگوں کو یاد ہے یا مسلم لیگ میں کچھ پرانے لوگوں کو یاد ہوگا جواب عملی طور پر غیر مؤثر ہو چکے ہیں اور بڑھاپے میں زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں باقی عوام اس حقیقی تصور کو بھلا چکے ہیں اور اب عملاً اس تصور کے مخالف سرگرمیوں میں مصروف ہیں یا کچھ انقلابی اور آفاقی سوچ رکھنے والے سرگرم دینی کارکن جو 1947ء میں قیام پاکستان کے وقت کارکن تھے اب ——— زندگی بھر کی انقلابی سوچ کو سینے سے لگائے پاکستان کے مستقبل کے بارے میں مایوسی اور امید کے درمیان اپنی نظریاتی سوچ کی وجہ سے سردھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ اور کچھ ——— و الذین اتبعوھم

باحسان (یعنی ان کے نقش قدم پر چل کر اسی وادی میں سرگرداں ہیں) کے مصداق متاع زیست کو داؤ پر لگا کر سہانے مستقبل کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ بقول شاعر

؎ یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
جیت گئے تو کیا کہنے ہارے بھی تو بازی مات نہیں

اس حقیقی آزادی کا تصور ہی ہے جو ان لوگوں کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے اور انہیں زندہ رکھے ہوئے ہے۔ بقول اقبال

؎ عقل ہے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری
میرے درویش خلافت ہے جہانگیری

؎ اٹھ کہ اب بزم جہاں میں اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

؎ تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

اس کے برعکس آج آزادی کا مفہوم کیا ہے؟ اور یوم آزادی پر ہمارے میڈیا کے ذریعے مختلف ملٹی نیشنلز جو تصور دیتی ہیں وہ ان کے اخبار اور ٹی وی کے اشتہاروں سے واضح ہے اور موبائل فون کمپنیوں کی اشتہاری مہم کا حصہ ہے ''سب کچھ کہہ دو''، ''اور سناؤ''، ''دل کی بات کہہ دو'' ''رات کو کال کی قیمت 3.99 روپے فی گھنٹہ، ٹی وی سکرین پر لہراتے ڈوپٹے اور ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر نوجوان لڑکے لڑکیاں کہتے ہیں ''آزادی''۔

آج آزادی کا تصور ہے ——— LIBERALISM یعنی ہر ضابطے، قانون، حلال و حرام اور اچھے بُرے کی تمیز سے آزادی یعنی جو دل میں آئے کرو اور جو دل میں آئے وہ کھاؤ پیو سنو، دیکھو ——— روکنے والا اس آزادی کا دشمن ہے۔ ضابطہ اور اخلاق بے معنی چیزیں ہیں اور مذہب کی اصطلاحات حلال و حرام سب فضول ہیں اور اس آزادی کے راستے کی

رکاوٹ صاف ظاہر ہے جوانی میں ناتجربہ کار لوگوں کو آزادی کا یہ تصور دینے کا مطلب بقول اقبال

ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار ؎

انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

فکر پختہ ہو ـــــ زندگی کا کوئی مشن ہو ـــــ اعلیٰ مقصد پیش نظر ہو ـــــ نظریہ حیات ہو ـــــ تو آزادی کے معنی اور ہیں جبکہ ذہن ناپختہ ہو ـــــ تو آزادی کے معنی اور ہیں مغرب والے آج یہی دوسری قسم کی آزادی کے علمبردار ہیں اور یوم آزادی کے موقع پر لفظ آزادی کے اشتراک سے آزاد روی اور روشن خیالی کے نظریہ کا پرچار کرتے رہتے ہیں جس سے نوجوان نسل میں بے حیائی، بدکاری، بے شرمی جیسے جذبات عام ہو رہے ہیں اور انسان ـــــ انسانیت سے حیوانیت کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اسی کا نتیجہ وہ اخلاقی اور دینی زوال ہے جو آج ہمارے سامنے ہے اور بحیثیت قوم ہم اس روشن خیالی اور آزاد روی کی دلدل میں پھنستے جا رہے ہیں جتنا ہم ادھر بڑھتے جا رہے ہیں دین و مذہب سے دور ہوتے جا رہے ہیں دو مثالوں سے بات زیادہ واضح ہوگی۔

☆ 1975ء۔1976ء میں لاہور میں گاڑیوں کی رجسٹریشن کی سریز (SERIES) LEK تک آئی تو آگے ایل چھوڑ کر LEM جاری کر دیا گیا پھر این چھوڑ کر LEO کی سیریز شروع کر دی گئی۔ اس لئے کہ جو سرکاری ذمہ دار افسران بیٹھے تھے اُن میں اس وقت تک ذرا اخلاق کا معیار اتنا نہیں گرا تھا جتنا آج ہے۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ کچھ منچلے نوجوان گاڑیوں کے نمبر شرارتاً اردو میں لکھ لیتے ہیں اور LEL اور LEN وہ مخففات (ABBRIEVATION) ہیں کہ اردو میں لکھنے سے یا ویسے ہی بولنے سے اردو پنجابی میں غیر اخلاقی الفاظ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ 30 سال قبل ہمارے اخلاق کا بہرحال کچھ معیار تھا اور معاشرتی ذمہ داریوں کا احساس تھا۔

اسی شہر لاہور میں اب گزشتہ تین چار سالوں میں LEL اور LEN دونوں سیریز بڑے دھڑلے سے جاری ہوئی ہیں اور کسی کو اس کا احساس تک نہیں گزرا ـــــ کہ

ع مر جاتے ہیں غلامی میں قوموں کے ضمیر

پہلے ہم برطانیہ کے غلام تھے جہاں سے طویل جدوجہد کے بعد آزادی لی تھی اب

امریکہ کے غلام ہیں نہ معلوم یہ آزادی کب اور کتنی قربانیوں کے بعد ملے گی۔

☆ 8 سال قبل 2001ء میں امریکہ نے 9/11 کا جواز بنا کر افغانستان پر حملہ کر دیا۔ یہاں پاک افغان کونسل بنی ــــــــــ احتجاج ہوتا رہا اور رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا پوری قوم نے مطالبہ کیا کہ امریکہ اس ماہ مبارک میں جنگ بند کر دے اور حملوں میں کمی کرے شاید کچھ کمی آئی بھی تھی۔ اس وقت ہم دشمن سے مطالبہ کر رہے تھے ــــــــــ آج صرف 8 سال بعد ہم خود سوات اور وزیرستان میں آپریشن کر رہے ہیں اور ماہ رمضان میں بھی جاری ہیں اور اب مطالبہ کون کرے؟ پوری قوم کو ڈالروں کا بخار چڑھا ہوا ہے اور سارے لیڈران کرام امریکی خوشنودی کی خاطر ہر پابندی توڑنے کو تیار ہیں۔ نہ ہی دینی طبقات کو ان باتوں کا خیال ہے اپنے ہی ملک میں اپنے ہی ہم وطن مسلمانوں میں اپنی ہی فوج کے ہاتھوں ہلاکت و تباہی بانٹی جا رہی ہے اور کوئی اس ماہ مبارک کے حوالے سے ہی بات بھی کرنے کا روادار نہیں نظر آ رہا ــــــــــ یقیناً وقت کے ساتھ ساتھ ہمارے اخلاق کا گراف نہایت تیزی سے نیچے کی طرف جا رہا ہے۔ نہ جانے یہ گراف کہاں تک گرے گا۔ کیا کسی چارہ گر کے پاس اس بات کا بھی علاج ہے کہ نہیں؟ اس مغربی تصور آزادی سے اعلان بیزاری کر کے ــــــــــ حقیقی تصور آزادی کی طرف آنا ــــــــــ جو بانیان پاکستان کا مطمعِ نظر تھا اور اسی آزادی کے تصور کو عام کرنا بھی آج ہماری ضرورت ہے۔ اور یہ حقیقت نوجوان نسل کو ذہن نشین کرانے کی ضرورت ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے ہیں حقیقی آزادی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں ہے اور حقیقی آزادی کے ساتھ حقیقی سرخروئی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں ہے۔

ع محمدؐ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی

قرآن اکیڈمی جھنگ

میں

ماہانہ سیمیناروں

میں تاریخ اسلامی کی 20 نامور شخصیات کا
تذکرہ مکمل ہو چکا ہے اور اب ان سیمیناروں میں جو مواد
سامنے آیا تھا اس کو وسیع حلقے تک پہنچانے کے لئے
''حکمت بالغہ'' میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس دفعہ اس سلسلے
کی 12 دینی شخصیات کے حالات شامل اشاعت ہیں۔
سیمیناروں کے اس سلسلہ کی غرض و غایت اور
تمام 20 شخصیات کے اسمائے گرامی افادہ عام کے لئے
شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔

فاتح ہند، مردِ درویش، مجاہد اسلام

حضرت احمد شاہ ابدالی رحمہ اللہ

احمد خان نام تھا اور آپ درّانی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے آپ کی پیدائش کب ہوئی؟ اور کہاں ہوئی؟ اس کے بارے میں حتمی رائے نہیں دی جا سکتی' ملتان کینٹ میں ایک تاریخی منقش محراب ہے جو احمد شاہ ابدالی کی جائے پیدائش کی نشان دہی کرتی ہے مگر یہ محل نظر ہے۔ آپ قندھار افغانستان کے حاکم تھے اور دینی مزاج کے حامل اور عادل و منصف بادشاہ تھے۔ آپ کی وفات 1773ء میں قندھار میں ہوئی۔ آپ کی عمر یقیناً 60-70 سال تھی، لہٰذا آپ کی ولادت اٹھارویں صدی کے اوائل میں ہوئی۔

اٹھارویں صدی عیسوی

اٹھارویں صدی عیسوی کا زمانہ سیاسی اعتبار سے دنیا بھر کے لئے تاریخی اہمیت کا حامل ہے اور بعض اہم سائنسی ایجادات و اکتشافات کا زمانہ بھی ہے۔

1۔ سولہویں صدی (1501ء تا 1600ء) یورپ میں سود کے نظام کی ابتداء اور بنک آف انگلینڈ (1545ء) کے قیام کی وجہ سے اہم ہے، یہی بنک بعد میں ساری دنیا میں بنکاری کی ''ماں'' ثابت ہوا اور سودی معیشت کی لعنت کا نقطۂ آغاز بھی۔

2۔ یورپی احیاء العلوم (RENNIASANCE) کے زیر اثر چرچ سے علوم اور سائنس کی علیحدگی ہوئی جس کے نتیجے میں آہستہ آہستہ اٹھارویں صدی تک مذہب اور سائنس کی دوری کے بعد مذہب اور ریاست کی علیحدگی بھی ہو کر رہی اور فرانس کے جمہوری انقلاب کے پردے میں دراصل عوامی آزادی، عوامی رائے، ووٹ اور الیکشن کی آڑ میں ریاست اور اس کے چلانے کے لئے مذہب کی بجائے عوامی رائے اور اکثریت کے فیصلوں کو اہمیت حاصل ہوگئی۔ مذہب کو چرچ

(CHURCH) تک محدود کر دیا گیا اور مذہبی زعماء (POPES) کے اختیارات کو بھی محدود کر دیا گیا۔ سیاست اور حکومت کی رہنمائی کے لئے سیکولرازم سامنے لایا گیا اور انسانوں کے لئے قانون سازی کی بنیاد مذہب کی بجائے اب سائنسی تحقیقات قرار پائیں جبکہ ان سائنسی تحقیقات کی ڈور صہیونی قوت کے پاس ہے۔

3۔ یورپی اقوام میں گزشتہ دو ہزار سال سے بحری سفر (نیوی NAVY) اور سمندری تجارت کی اہمیت رہی ہے شروع میں اس کی بڑی وجہ غالباً زمینی وسائل رزق کی کمی تھی اٹھارویں صدی کے آتے آتے یورپی اقوام کے بحری بیڑے کرّۂ ارض کے تمام سمندروں پر بلاشرکت غیرے دندناتے پھرتے تھے اور بحری طاقت میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا۔ یورپ کی اس بحری طاقت میں اضافہ کے اہم نکات یہ ہیں

☆ یورپ میں مسلمانوں کے زوال (سقوط غرناطہ 1492ء) کے ساتھ ہی اس سارے علاقے برطانیہ، فرانس، اٹلی، پرتگال اور شمالی اور مغربی افریقہ کے ساحلی ممالک کی بحری طاقت جو پہلے مسلمانوں کے پاس تھی (اور مسلمان دنیا بھر میں تجارت پر قابض تھے) یورپی اقوام کے ہاتھ چلی گئی۔

☆ 1492ء میں کولمبس نامی پرتگالی شخص نے ایک مسلمان گائیڈ کے ساتھ سفر کر کے امریکہ تک رسائی حاصل کی تو وہاں پہلے سے مسلمان اور دیگر اقوام آباد تھیں تاہم یورپ نے امریکہ کی دریافت کا تاج کولمبس کے سر پر رکھ دیا۔ یہ سفر پرخطر بھی تھا اور طویل بھی۔ مراکش کے ساحل سے امریکہ کا مشرقی ساحل 2900 کلومیٹر ہے اس طرح یورپی اقوام کے بحری اسفار کے لئے نیا راستہ کھل گیا۔

☆ یورپی اقوام پہلے مشرق کی طرف زیادہ آزادی سے نہیں جا سکتی تھیں اس لئے کہ چار ہزار میل تک مسلم حکومتیں پھیلی ہوئی تھیں انفرادی طور پر کچھ سیاح آتے رہے اور معلومات لے کر واپس وطن لوٹتے رہے تا آنکہ 1498ء میں واسکوڈی گاما نامی ایک یورپی ملاح نے ایک مسلمان گائیڈ کی رہنمائی میں افریقہ کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ جنوب کا سفر کرتے ہوئے راس امید (جنوبی افریقہ) کے پاس واپس شمال کا راستہ دریافت کر لیا اور اس طرح یورپی اقوام کے لئے

بحری راستے سے (اگرچہ یہ راستہ زمینی راستے سے دوگنا تھا) جنوبی ایشیا اور مشرقی بعید کے ممالک تک رسائی حاصل کر لی۔

☆ یورپی اقوام کو پہلے ہی معلوم تھا کہ مشرقی ممالک بالعموم اور جنوبی ایشیاء بالخصوص ''سونے کی چڑیا'' ہے اور زرعی اور تجارتی لحاظ سے بہت آسودہ حال اور خوش حال علاقہ ہے لہٰذا بحری راستہ دریافت ہوتے ہی یورپی اقوام مشرقی ممالک کی طرف ٹوٹ پڑیں۔

☆ یورپ سے امریکہ کی ''نئی سرزمین'' اور ''خوابوں اور آزادی کی سرزمین'' کی طرف بھی لوگوں نے سفر کیا ہے مگر اس طرف صرف اپنے اپنے علاقے کے بدمعاش، بھگوڑے، جرائم پیشہ اور حکومتوں کو مطلوب افراد گئے ہیں تاکہ وہ بھی آزادی کی فضا میں سکھ کا سانس لے سکیں۔ تاہم مشرقی ممالک کی طرف یورپی اقوام نے تجارت کی غرض سے سفر کیے اور نہایت غیر محسوس طریقے پر علاقوں پر قابض ہوتے چلے گئے۔

☆ مغل بادشاہ اکبر کے زمانے (1556-1605ء) تک یہ یورپی اقوام سمندری راستوں پر اس قدر قابض تھیں کہ کوئی دوسرا دخل نہیں دے سکتا تھا۔ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی خوشحالی اور دیگر جغرافیائی وجوہات کی بنا پر یہاں بحری قوت میں ترقی نہ ہو سکی۔ زمینی راستے ہمیشہ مخدوش رہتے تھے اور جا بجا جنگیں جاری رہتی تھیں اور راستے پُرخطر تھے۔ اکبر کی پھوپھی نے حج کرنا چاہا تو یورپی بحری قزاقوں کو بھاری رقم دے کر یہ سفر ممکن ہو سکا۔

☆ یورپ میں سائنسی ترقی، ایجادات اور صنعتی مصنوعات کے فروغ نے اس جذبے کو اور مہمیز دی اور یورپی مصنوعات کی کھپت اور فروخت کے لئے فرانسیسی، اطالوی، ڈچ اور برطانوی بحری مہم جو پوری دنیا میں نکل کھڑے ہوئے۔ لوٹ مار کر خود بھی کھانا اور لوٹ کر سال دو سال بعد گھر لوٹنا تو گھر والوں کے لئے بھی وافر وسائل لے آنا یہ ان بحری مہموں کا حاصل تھا۔

☆ اس وسیع مہم جوئی کا ایک مثبت نتیجہ یہ نکلا کہ یہ مہم جو ہر دفعہ جب لوٹتے تھے اور دنیا میں جو نئے جزیرے اور آبادیاں دریافت کرتے تھے ان کی معلومات واپس آ کر حکومت کے حوالے کرتے تھے۔ لہٰذا اس طرح یورپی حکومتوں کے پاس اٹھارویں صدی کے آخر تک دنیا بھر کے سمندروں، ساحلوں، بے آباد علاقوں، جزیروں وغیرہ کے بارے میں بہت ساری معلومات جمع

ہوچکی تھیں۔ یہ معلومات جغرافیائی اور معاشرتی بھی تھیں جس میں اس جزیرے کا طول بلد، عرض بلد، رقبہ، زمینی ساخت، دریا، پہاڑ، میدان، ریگستان، فصلیں، مشہور معدنیات، لوگوں کا رہن سہن وغیرہ شامل تھیں' تاریخی اور مذہبی معلومات بھی جمع ہوگئیں اور قبائل، نسلیں اور زبانوں کے بارے میں ابتدائی مرحلہ میں قابل لحاظ مواد جمع ہوگیا۔

☆ اٹھارویں صدی کے آخر تک دنیا بھر کے تمام جزیرے اور ساحل قطب شمالی اور جنوبی سمیت یورپی اقوام کے قبضے میں جا چکے تھے اور یورپی سیلرز (SAILORS) کا سکہ رواں تھا اور ساری سمندری تجارت اور سفر بھی انہیں کے کنٹرول میں تھا۔

انقلاب فرانس

اٹھارویں صدی کے آغاز سے لے کر پوری صدی اہل فرانس نے قربانیاں دے کر ایک جمہوری انقلاب کی بنیاد رکھی اور یوں انسانیت نے مطلق العنان بادشاہت اور موروثی تاج و تخت سے گلوخلاصی کی طرف پہلا قدم رکھا اور دیکھتے دیکھتے دوصدیوں میں یہ تمام روئے ارضی پر پھیل گیا ہے اگرچہ اس انقلاب سے جو حقیقی آزادی، اخوت، مساوات اور انصاف کی توقعات تھیں وہ آج تک پوری نہیں ہوسکیں۔ فرانس کا یہ انقلاب 1789ء میں آیا اور تقریباً 1800ء تک اس میں جنگ وجدال کا سلسلہ جاری رہا۔

امریکہ کی جنگ آزادی

اٹھارویں صدی ہی وہ اہم صدی ہے جس میں امریکہ میں آکر بسنے والوں یا یوں کہیے کہ لاکر بسائے گئے لوگوں نے برطانیہ سے جنگ کی اور انگریزی غلامی سے نجات حاصل کی۔ دنیا کی نادیدہ قوت صہیونی طاقت نے 1453ء میں یورپ کے مشرق میں قسطنطنیہ کی' عظیم مسلمان سلطان محمد کے ہاتھوں' فتح کے بعد امریکہ کا رُخ کیا تھا۔ یہودی اپنی شرارتوں کے سبب آسٹریا، اٹلی، جرمنی، فرانس الغرض سب جگہ سے نکالے گئے لوگ تھے جو بالآخر امریکہ جا کر آباد ہوئے۔ امریکہ کی جنگ آزادی میں یہود پیش پیش تھے اور برطانوی استعمار سے بظاہر آزادی ــــــــــ دراصل صہیونی مقاصد کے حصول کے لئے اس نئی سرزمین ــــــــــ امریکہ

کی علیحدگی تھی تا کہ وہ یہاں اپنے انداز میں پروان چڑھ سکیں اور معلوم دنیا کی نگاہوں سے اوجھل ہوکر اپنے مکروہ اور مذموم مقاصد کو فروغ دے سکیں اس جنگ آزادی میں کامیابی کے نتیجے میں یہود ــــــــــــ صہیونی قوت امریکہ کی سیاست، تجارت، حکومت میں ایسے گھُسے کہ جیسے اب ان کے سوا کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ یہ آزادی کا سال 1776ء ہے جو امریکہ کے ایک ڈالر کے نوٹ کی پشت پر کندہ ہے۔

آزادی کے صہیونی قوت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ امریکی کرنسی ایک ڈالر کے نوٹ کے پیچھے 1776ء کو آزادی (FREEDOM) کے نام اس لئے منسوب کیا گیا تھا کہ اس کے ساتھ ہی ORDO NOVO SECULARIUM یعنی نیا عالمی سیکولر آرڈر گویا یہ آزادی عوامی حقوق، عدل و انصاف وغیرہ کے لئے نہیں تھی بلکہ یہود اپنے مخصوص مقاصد کے لئے عوام کو استعمال کر رہے تھے اور آج بھی کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور بات جو ایک ڈالر کے نوٹ پر دیکھی جا سکتی ہے وہ ہے ــــــــــــ اہرام مصر کا نقشہ اور اس پر بنی ہوئی ایک ''آنکھ'' یعنی عالمی معاملات پر صہیونی نظر ــــــــــــ عالمی مالیاتی سودی نظام کے ذریعے عالمی وسائل پر قبضہ اور ملٹی نیشنلز کے ذریعے اور IMF اور WB کے ذریعے دنیا کی معیشت اور ممالک کا کنٹرول۔ عصر حاضر میں جس فتنہ نے سر اٹھایا ہے اور امریکی اقتصادیات کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے اس کا بیج اسی اٹھارویں صدی میں بویا گیا تھا۔

برطانیہ

امریکہ بطور کالونی کے برطانیہ کے ہاتھ سے نکل جانے اور فرانس میں انقلاب کے نتیجے میں عوامی حکومت اور عوامی حقوق کا چرچا ہوا تو برطانوی عمائدین کو بھی فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں یہ فکر برطانیہ بھی نہ آئے لہٰذا اس کا پہلے سے تدارک کیا گیا موروثی بادشاہت کے زیر سایہ جمہوریت کا پودا لگا دیا گیا جو صہیونی مقاصد کے حصول کے لیے تاج برطانیہ کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتا ہے۔ تاج برطانیہ ہی عیسائیت کے عالمی محافظ، پروٹسٹنٹ فرقہ کا گھر اور یہودیت کی پراسرار سرگرمیوں کا گہوارہ ہے اس سلسلے میں دو مزید کام بھی ہوئے وہ اسی اٹھارویں صدی میں ہیں۔

☆ پہلے پورے یورپ اور برطانیہ میں رومن لا اور رومن عدالتی نظام چل رہا تھا جو بڑا ظالمانہ، سفاکانہ اور دشمنوں کو ہی نہیں اپنے عوام میں سے ذرا باشعور ہونے والے یا تنقید کرنے والے کے لئے عبرت کا نشان بنا دینا ہوتا تھا۔تشدد کے طریقے،ایذا رسانی کے آلات،لوہے کے جنگلے جہاں مجرموں کو جانوروں کی طرح ننگا رکھا جاتا تھا وغیرہ وغیرہ۔ برطانیہ میں پہلا کام یہ ہوا کہ عدالتی نظام کو مہذب بنایا گیا اور عدالتی اور تفتیشی نظام میں سے رومی طریقے نکال دیے گئے بلکہ سابقہ آلات ایذا رسانی ــــــــــــ ایک پارک میں لا کر سجا دیے گئے تا کہ لوگ مطالعہ و مشاہدہ کر سکیں،ایک نئے مہذب اور انسان دوست عدالتی وقانونی نظام کی بنیاد ڈالی گئی۔

یہ نظام برطانیہ میں اندرونی طور پر آج بھی جاری ہے اگر چہ برطانیہ اور دیگر یورپی استعماری طاقتوں نے اپنے محکوم ممالک اور نوآبادیوں میں رومی تشدد اور ایذا رسانی کے طور طریقے بعینہٖ جاری رکھے بلکہ اب بھی جاری ہیں۔(پہلی جنگ عظیم میں ہندوستان میں ایک مسلمان کو انگریز نے ملک دشمن سرگرمیوں میں پکڑا تو اسے ایک لوہے کے جنگلے میں ننگا بند کر کے جانوروں والے ریل کے ڈبے میں رنگون بھیجا گیا)۔علامہ اقبال نے کیا خوب کہا تھا:

ؔ تو نے دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

ؔ دیو استبداد ہے جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے اسے آزادی کی ہے نیلم پری

ــــــــفَاعۡتَبِرُوۡا یَا اُولِی الۡاَبۡصَارِ ــــــــ

دوسرا کام برطانیہ میں یہ کیا گیا کہ وہاں سابقہ شہری آبادیاں ہماری طرح تنگ و تاریک گلیوں پر مشتمل ہوتی تھیں دوسرے ملکوں اور محکوم ممالک سے لوٹی ہوئی دولت کے انبار آئے تو شہروں میں تجدید اور تعمیر نو کا کام شروع ہوا، مکان گرا کر وسیع سڑکیں بنائی گئیں، پارک، پلازے، سیرگاہیں، چوک وغیرہ وجود میں آئے۔ یہ کام پورے یورپ میں ایک منظّم طریقے پر ہوا اور غالباً صہیونی قوت کے کارپردازوں نے ہی مستقبل کی ضرورت کے پیشِ نظر کرایا ہے۔(جیسے لاہور میں اندرون شہر شاہ عالم مارکیٹ کی تعمیر)۔

وسطی ایشیا، عظیم عثمانی سلطنت

یورپ اور مشرقی ایشیا کے درمیان کئی صدیوں سے حائل سب سے بڑی رکاوٹ عظیم عثمانی سلطنت تھی جو تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی مشرقی یورپ، شمالی اور وسطی افریقہ، مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیا بھی عملاً تُرک خلیفہ کے ہی ماتحت ہوتے تھے۔

اٹھارویں صدی میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے ساتھ ساتھ عثمانی سلطنت بھی زوال پذیر ہوگئی اس لئے کہ تقدیر امم کے اٹل قانون کے تحت اب مسلمان حکمران شمشیر وسناں کی بجائے طاؤس ورباب کے رسیا ہوتے جارہے تھے۔

یورپی استعمار اٹھا تو عثمانی سلطنت کو اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تصور کیا اور متعدد بار اس سے ٹکرانے کی ناکام کوششیں کیں مگر ایک طویل عرصے تک اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ تاہم اٹھارویں صدی کے آخری عشرے کے آنے تک وسطی افریقہ اور شمالی افریقہ کے بیشتر علاقے اطالویوں اور فرانسیسیوں کے قبضے میں جاچکے تھے۔ اگرچہ ایشیا میں عثمانی سلطنت کا رعب داب تاحال قائم تھا۔

جنوبی ایشیا ـــــ مغلیہ سلطنت

مغلیہ سلطنت میں سب سے مستحکم حکمرانی اورنگ زیب عالمگیر کی ہے، پچاس سالہ دورِ حکومت میں کابل سے برما تک حکومت کی اور اسلامی شریعت کے نفاذ کے ساتھ کئی دیگر اصلاحات بھی کیں۔ ذمیوں اور غیر مسلموں کے حقوق خاص کا خیال رکھا البتہ ہندو سرپرستی میں چلنے والی تحریکوں کو بھرپور طریقے سے کچل دینا بھی اسی حکمران کا کام تھا۔ سکھ تحریک بظاہر مذہبی تحریک تھی لیکن پنجاب میں یہ ہندو ذہن کی پیداوار عسکری تحریک تھی اسی لئے اس کے سارے گرو روزِ اوّل سے مسلمان حکمرانوں کے خلاف برسرپیکار ہی رہے۔ آخری گرو گوبند سنگھ اورنگ زیب ہی کے دور میں مارا گیا۔ ہندو مرہٹہ قوت بھی جنوبی ہند سے ـــــــــــ اپنی بے حیا اور حیوانی ثقافت کے احیاء اور فروغ کا جذبہ لے کر اٹھی مگر ـــــــــــ انسان دشمن اور حیوانی سوچ کی وجہ سے اورنگ زیب ہی کے ہاتھوں شکست پر شکست کھائی، اورنگ زیب ان قوتوں سے نبرد آزمائی میں

25سال مسلسل دارالحکومت سے باہر رہے اور گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر جنگ کے ساتھ وسیع حکومت کے انتظام بھی چلاتا رہے۔اس کا ایک نتیجہ تو یہ ہوا کہ ملک دشمن اور اسلام دشمن قوتوں کا قلع قمع ہو گیا مگر ایک بہت بڑا نقصان یہ ہوا کہ ــــــــــــــــ ہندوؤں کے چالاک ذہن اور مسلمانوں کے اندر منفی رجحانات رکھنے والی قوتوں کے گٹھ جوڑ سے ایک ایسا فتنہ شروع ہو گیا جس نے اورنگزیب کے راہیٔ ملک عدم ہوتے ہی سر اٹھالیا۔ یہ فتنہ طویل عرصہ سے زیرِ زمین تھا اور اب جوان ہو چکا تھا۔اورنگ زیب خود قرآن و حدیث کا عالم اور باعمل مسلمان تھا۔فتاویٰ عالمگیری کی تیاری و نفاذ اس کا ثبوت ہے۔تاہم ــــــــــــــــ فتنہ گروں نے قیامت ڈھا دی۔ اورنگ زیب کے بیٹے نے (جو خود بھی عالم فاضل تھا) تخت نشین ہوتے ہی یہ اعلان کر دیا کہ میں خوب غوروخوص کے بعد اس رائے پر پہنچا ہوں کہ شیعہ مذہب برحق ہے اور خود شیعہ ہونے کا اعلان کر دیا۔اس سے جو ہونا تھا وہی ہوا کہ خاندان مغلیہ داخلی خلفشار کا شکار ہو گیا اور دشمن کو باہر سے حملہ کر کے فتح کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی ــــــــــــــــ شاہی خاندان کے افراد خود بھی آپس میں لڑتے قتل ہوتے رہے اور بادشاہ بدلتے رہے، ملک کمزور ہو گیا علاقائی قوتوں نے سر اٹھایا اور مرکز گریز رجحانات کا دور دورہ ہوتا چلا گیا۔

ان حالات میں ایران کے ایک مقتدر بادشاہ نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کر دیا۔ (1739ء)اور دہلی کو خوب تاخت وتاراج کیا۔عقل حیران ہے کہ مغلیہ خاندان کے مذہب شیعہ کو قبول کر لینے کے بعد تو ایران کو مغلوں کی مدد کرنا چاہیے تھی کہ وہ ان کے اقتدار کو مستحکم کرے اور مرکز گریز مرہٹہ قوت اور دیگر علاقائی نوابوں، وڈیروں کی سرکوبی کر کے ان کے زیرِ نگیں کرے تاکہ دنیا میں ایران کے ساتھ ساتھ عظیم مغلیہ سلطنت بھی شیعہ مذہب کے ساتھ کامیابیوں اور کامرانیوں کا سفر جاری رکھ سکے تاہم جو کچھ ہوا وہ عجیب ہے کہ نادر شاہ نے اصفہان سے اٹھ کر دہلی پر حملہ کیا اسے تاخت وتاراج کیا لوٹا، قتل عام کیا اور مال و دولت سمیٹ کر واپس چلا گیا۔

احمد شاہ ابدالی اس نادر شاہی حملے میں اس کے ساتھ آیا تھا اور فوج میں افسر تھا۔نادر شاہ کے قتل (جون 1747ء) کے بعد اس کی سلطنت کے ٹکڑے ہو گئے اور افغان قبائل نے متفقہ طور پر احمد خان کو افغانستان کا حاکم قرار دیا جس سے اس کے اقتدار کا راستہ ہموار ہو گیا۔اس نے احمد شاہ

کالقب اختیار کیااور احمد شاہ ابدالی کے نام سے مشہور ہوا۔

یہ وہ عالمی وملکی حالات تھے جس میں حضرت احمد شاہ ابدالی حکمران بنے اور انہیں ایک وسیع علاقے پر اپنے اقتدار اور امت مسلمہ کے مفادات کی خاطر بڑی پُرخطر اور عظیم کاروائیاں کرنا پڑیں۔

احمد شاہ ابدالی 1739ء کے دہلی پر حملے کے وقت نادر شاہ کے ساتھ تھا اور قندھار کا حاکم ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے حالات اور سیاسی اتار چڑھاؤ سے واقف تھا لہٰذا وہ علاقے کے عمائدین، ان کے خیالات، سیاسی وعسکری قوتوں کے عزائم پہچانتا تھا بلکہ مستقبل میں ہونے والے واقعات کا اندازہ لگا رہا تھا۔

احمد شاہ ابدالی نے مجموعی طور پر ہند پر سات حملے کیے 1748ء میں محمد شاہ رنگیلا کے دور میں لاہور اور سرہند پر قبضہ کرلیا۔ 1749 میں دوسرا حملہ کیا۔ 1750ء میں پھر آیا اور اس علاقہ کی مال گزاری 14 لاکھ روپے سالانہ وصول کرنا شروع کی۔ جب پنجاب سے افراتفری کی وجہ سے مال گزاری وصول نہ ہوئی تو اس نے 1751ء میں تیسرا حملہ کر دیا اور لاہور کے علاوہ ملتان پر بھی قبضہ کرلیا۔ چوتھے حملہ میں وہ دہلی پہنچ گیا۔ 1757ء میں اس نے اپنے بیٹے تیمور شاہ کو لاہور کا گورنر مقرر کیا۔ دہلی اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں مرہٹہ قوت نے زور پکڑ لیا تھا ادھر پنجاب میں سکھ قوت بھی سر اٹھا رہی تھی مرہٹوں اور سکھوں نے مل کر پنجاب سے افغانوں کو نکال دیا۔ پھر اس نے 1759ء میں پانچویں بار حملہ کیا اور مرہٹوں اور سکھوں کو نکال کر پنجاب کو باقاعدہ افغان حکومت میں شامل کرلیا۔ 1761ء میں احمد شاہ ابدالی نے ہند پر سب سے بڑا حملہ کیا اور کامیابی حاصل کی۔

مرہٹہ قوت کے زور پکڑنے اور مغلیہ سلطنت کے کمزور ہونے سے مسلمانوں اور اسلام کو سخت خطرات درپیش تھے اور ہندو مسلمانوں کے خلاف سخت نفرت کے جذبات رکھتے تھے جس سے خطرہ تھا کہ مرہٹوں کے غلبہ سے کہیں جوش انتقام میں مسلمانوں کا ہند سے ایسے ہی خاتمہ نہ ہوجائے جیسے سقوط غرناطہ کے بعد (1492ء) سپین سے ہوا تھا حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ مردِ درویش نے اس خطرہ کے پیش نظر احمد شاہ ابدالی کو باقاعدہ خط لکھ کر اسلام کی حفاظت اور مسلمانوں

کی مدد کی درخواست کی تھی یہ ایک سخت مہم تھی وہ پس وپیش کر رہا تھا کہ اسے خواب آیا اور وہ خواب اس نے اپنی والدہ زرعونہ بیگم کے گوش گزار کیا جس پر اس کی والدہ نے فرمایا کہ جان وملک کا خطرہ لے کر بھی اسلام کی سربلندی اور مسلمانانِ ہند کی حفاظت کیلئے بیٹے فوراً سفر کرو اللہ تعالیٰ تمہیں فتح دے گا۔

تاریخ گواہ ہے کہ مرہٹہ قوت کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کا یہ ٹکراؤ 1761ء میں پانی پت کے میدان میں ہوا اور پانی پت کی تیسری لڑائی کے نام سے مشہور ہے۔ احمد شاہ ابدالی 12-20 ہزار فوج کے ساتھ آئے تھے مقامی مسلمانوں نے شامل ہو کر مسلمانوں کی تعداد 70-80 ہزار بنا دی جبکہ مرہٹہ قوت 3 لاکھ کی نفری پر مشتمل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے خلوص کی وجہ سے مدد فرمائی اور مرہٹہ قوت کو شکست فاش ہوئی کہ وہ ایک صدی تک دہلی کے آس پاس سر نہیں اٹھا سکے۔

احمد شاہ ابدالی نے 1764ء میں بھی ہند پر ایک اور حملہ کیا اور آخری بار 1767ء میں ہند پر حملہ آور ہوا اور سکھوں کو مغلوب کرنے کی کوشش کی تاہم یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔

احمد شاہ ابدالی عمر رسیدہ ہونے کی وجہ اب لمبے اسفار کے قابل نہ تھے ملکی حالات بھی دگرگوں تھے۔ بالآخر اس مردِ درویش نے 1773ء میں وفات پائی۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اٹھارویں صدی عیسوی بحر ہند میں برطانوی استعماری قوت کی اٹھان

بحری طاقت میں اضافہ کے ساتھ صنعتی ترقی، نئے نئے علاقوں سے لوٹ مار اور عسکری و سائنسی برتری نے یورپ کو ایک ''خمار'' میں مبتلا کر دیا اور اس طرح وہ دنیا کی باقی اقوام کے مقابلے میں SUPERIORITY COMPLEX کا شکار ہو گیا۔ اٹھارویں صدی میں ہی کچھ خاص حالات تھے کہ نادیدہ قوتیں اور صہیونی ذہن جو برطانیہ اور تاج برطانیہ کو اپنے خاص مقاصد کے لئے آگے بڑھا رہا تھا' نے یورپ کی دیگر اقوام (فرانسیسی، اطالوی وغیرہ) کے مقابلے میں برطانوی بالادستی کا اہتمام کر دیا۔ (اس کی تفصیل ان شاء اللہ اگلی دفعہ آئے گی)

برطانوی عسکری قوت نے جنوبی ایشیا اور بحر ہند میں آنا جانا شروع کیا تو پہلے خلیج فارس کے دہانے پر قدم رکھے۔ پھر سندھ کے ساحلی علاقوں کو اہمیت دی اور بعد ازاں بنگال کے ساحل پر

جا ڈیرے جمائے۔ دو تین صدیوں میں بے ضرر تجارت سے اٹھ کر ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' (قیام 1600ء) نے اب چھاؤنیاں بنانی شروع کر دیں اور اسلحہ جمع کرنا شروع کیا۔ یورپی اور صہیونی قوت کے پاس علاقوں کو فتح کرنے کے لئے عسکری قوت کے برعکس چالاکی، بددیانتی، مقامی لوگوں کو خرید کر ساتھ ملانا، غداری پر آمادہ کرنا اور پھر وعدہ خلافی کرنا، علاقائی لڑائیوں میں کمزور کا ساتھ دے کر مقتدر طبقہ کو ہٹا دینا جیسی خصلتوں کا سرمایہ تھا جسے وہ خوب کامیابی سے استعمال کرتے رہے اور آج بھی عالمی سطح پر کر رہے ہیں۔

ایک طرف انہوں نے عثمانی سلطنت کے دور دراز علاقے جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی علاقے میں یمن کے پاس اومان اور اس کے آس پاس کے علاقے پر یہی طریقہ اپنا کر نفوذ کا راستہ بنایا۔ دوسری طرف بنگال میں مقامی لوگوں سے لڑائیاں جھگڑے، علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تا کہ ان کا اثر ورسوخ بڑھتا جائے۔ تجارتی کمپنی ہونے کے ناطے ان سے بہت سے لوگ کاروباری فائدہ اٹھاتے تھے ملازمت کرتے تھے' ان کے ذریعے مقامی لوگوں کو خریدنے اور عہدے دینے کا کام بھی جاری رکھا تھا۔ 1757ء میں بنگال کے حاکم نواب سراج الدولہ نے جب محسوس کیا کہ برطانوی سامراج پھیل رہا ہے تو اس نے اس کو محصور کرنے کی کوشش کی لیکن وہ جنگ پر آمادہ ہو گئے اور سراج الدولہ ہی کے ناراض امیروں اور نمائندوں کو ساتھ ملا کر اور آئندہ حکمرانی کا لالچ دے کر جنگ پلاسی میں نواب سراج الدولہ کو شکست سے دوچار کر دیا۔ اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کو جنوبی ایشیا میں عسکری طور پر بھی قدم جمانے کا موقع مل گیا میر جعفر اور میر قاسم نے غداری کی اگرچہ ان کا انجام خود بھی کوئی اچھا نہ ہوا۔

ان حالات میں ہند کا عمومی ماحول بدل رہا تھا اور دہلی دارالحکومت میں بھی ان سرگرمیوں کے اثرات شدت سے محسوس کیے جا رہے تھے۔

یورپی طاقت جرمنی اور عالم اسلام

اٹھارویں صدی تک یورپی صنعتی طاقتیں بظاہر ایک براعظم کے اندر ایک سوچ کی حامل

نظر آتی تھیں مگر دراصل استعماری ہتھکنڈوں کے استعمال اور غیر یورپی اقوام کو لوٹنے میں سب یورپی طاقتیں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتی رہتی تھیں برطانیہ کو چاروں اطراف سمندر لگتا ہے۔ فرانس کو بھی شمال مغرب اور جنوب میں سمندری ساحل میسر تھے اٹلی کے جنوب میں بھی سمندر ہے اور ان کے اپنے سمندری راستے میں پرتگال تو ویسے ہی الگ تھلگ مغربی یورپ کا ملک ہے جبکہ جرمنی تین طرف سے خشکی سے گھرا ہوا ہے اور صرف شمال میں سمندر لگتا ہے اور وہ قطب شمالی کے قریب ہونے کی وجہ سے سمندری تجارت کیلئے سارا سال مناسب نہیں رہتا۔

اسی لئے برطانیہ تو استعماری قبضہ اور لوٹ کھسوٹ میں نمبر 1 تھا ہی، فرانس، اٹلی نے بھی جنوب کی طرف سفر کر کے شمالی افریقہ کے قریبی کے علاقے ہتھیا لئے اور وسطی افریقہ کے وسیع علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا جبکہ برطانیہ نے شمالی امریکہ، کینڈا، جنوبی امریکہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، مشرق بعید کے کئی ممالک پر قبضہ جما لیا اور جنوبی ایشیا پر بھی قبضہ کرنا شروع کر دیا۔

ان حالات میں جرمنی کو ان مغربی طاقتوں کے مقابلے میں سمندری راستوں سے نکل کر کھلے سمندر میں مقابلہ اور ملکوں اور جزیروں پر قبضہ کرنا ممکن نہیں رہا۔ اسے ایک آسانی حاصل تھی جس سے اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا کہ یورپی استعماری طاقتوں (فرانس، اٹلی اور برطانیہ) نے چونکہ بیشتر علاقے مسلمانوں سے چھینے تھے لہٰذا مسلمانوں سے ان کی دشمنی ظاہر و باہر تھی جبکہ جرمنی کے مشرق میں عثمانی سلطنت کے یورپی مقبوضات اور وہاں سے ہو کر ہند تک پوری مسلم دنیا جرمنی مصنوعات کی منڈی کے لئے کھلی تھی۔ جرمنی نے مسلم دنیا سے تعلقات بنائے اور اس پورے وسیع مسلم علاقے میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا لیا۔ لہٰذا پوری عثمانی سلطنت مشرق وسطیٰ، جزیرہ نمائے عرب ایران اور افغانستان تک جرمنی کی مصنوعات کو زمینی راستے میسر تھے اور وسیع مارکیٹ میسر تھی جس سے اس نے خوب فائدہ اٹھایا اور اپنی مصنوعات اور ٹیکنالوجی کو فروغ دیا۔

پہلی جنگ سے ذرا قبل ترکی سے حرمین شریفین تک ریلوے لائن کا منصوبہ بنا تو عثمانی سلطنت کے زیر اہتمام یہ منصوبہ جرمن انجینئروں نے ہی سرانجام دیا۔ وہ تو پہلی جنگ عظیم کی وجہ سے یہ ریلوے لائن صرف مدینہ منورہ تک آئی تھی کہ منصوبہ ختم کر دیا گیا۔ مدینہ منورہ کا اسٹیشن بھی

ہے اور شمالی علاقہ جات کے لئے ریلوے سروس بھی ہے۔ اسی وجہ سے ترکی، مشرق وسطیٰ، سعودی عرب میں دو عشرے پہلے تک جب تک پرانی شہری آبادی کا نظام تھا جرمن مصنوعات از قسم WC، بیسن (BASIN) پانی کی تقسیم کے پائپ اور فٹنگز اور دیگر اشیاء سب جرمن ساختہ نظر آتی تھیں جبکہ موجودہ توسیع حرمین اور جدید طرز تعمیر کی بدولت اب امریکن مصنوعات کا دور دورہ ہے۔

افغانستان کے بادشاہ احمد شاہ ابدالی کے زمانے میں جرمن ماہرین اور جرمن مصنوعات افغانستان تک پہنچ چکی تھیں اور جرمن ساختہ جنگی سامان بھی عام تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے جو ہند پر کئی حملے کیے اور بالخصوص شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی دعوت پر جو بڑا حملہ کیا اس میں جرمن ساختہ توپیں بھی اپنے ساتھ لا کر استعمال کی تھیں۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت شامل حال تھی مگر بظاہر ــــــــــ مرہٹہ قوت کے مقابلے میں ٹیکنالوجی کا واضح فرق تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو فتح ہوئی اور مرہٹہ قوت کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ انہیں توپوں میں سے ایک توپ کئی ہاتھوں سے ہوتی ہوئی لاہور کی مال روڈ پر پنجاب یونیورسٹی اولڈ کیمپس کے سامنے نصب ہے جو بھنگیوں کی توپ کہلاتی ہے۔

یہ عظیم مسلمان اور باعمل حکمران جس نے اسلام کی حفاظت و آبیاری کی خاطر ہند پر حملہ کیا اور اپنے سے کئی گنا زیادہ مرہٹہ قوت سے ایمانی قوت کی بنا پر ٹکرا گیا ــــــــــ احمد شاہ ابدالی رحمہ اللہ تھے۔ ذاتی کردار کے اعتبار سے بھی احمد شاہ ابدالی نہایت خدا ترس، غمگسار، عدل و انصاف سے محبت رکھنے والا عوام کی بہبود میں دلچسپی رکھنے والا اور اسلام کے دشمنوں اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے کوئی سمجھوتہ نہ کرنے والا حکمران تھا۔ ع آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اور اس کے مخلص ساتھیوں پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے (آمین)

یہ سیمینار 6 مئی 2007ء بروز اتوار صبح 09:00 بجے سے 12:00 تک منعقد ہوا اس میں جناب پروفیسر مہر غلام سرور صاحب، جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب اور دیگر مقررین حضرات نے حضرت احمد شاہ ابدالی رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی پر اظہارِ خیال فرمایا۔ (ادارہ)

موجودہ درسی کتابوں کی نقائص

ڈاکٹر رفیع الدین

ہمارے موجودہ نظام تعلیم میں سائنسی علوم یعنی طبیعیاتی، حیاتیاتی اور نفسیاتی علوم کی درسی کتابیں ناقص ہیں اور ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ذہنی نشوونما کو نقصان پہنچا رہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتابیں مغربی مصنّفین کی لکھی ہوتی ہیں جن کا نقطہ نظر کائنات اور انسان اور علم اور تعلیم کے متعلق کم از کم جہاں تک ان کتابوں کی تالیف وتصنیف کا تعلق ہے' درست نہیں۔ ہم نے ان کتابوں کو سوچے سمجھے بغیر مغرب کی کورانہ تقلید کرتے ہوئے اور ہر بات میں ان کی فوقیت کے دام میں مبتلا ہو کر اپنے ہاں نافذ کر رکھا ہے۔

مثلاً پہلے طبیعیاتی علوم کی درسی کتابوں کو لیجیے۔ ان علوم میں فزکس، کیمسٹری اور اسٹرانومی وغیرہ شامل ہیں اور ان سب کے لئے طبیعیات یا فزکس کا مختصر نام بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ان علوم کی درسی کتابوں میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ ان کا مواد اس غلط مفروضہ یا عقیدہ پر مبنی ہے کہ صداقت صرف وہی ہے جسے ہم براہِ راست اپنے حواس خمسہ سے دریافت کر سکتے ہوں، جو چیز ہم اپنے حواسِ خمسہ سے دریافت نہیں کر سکتے وہ یا تو موجود ہی نہیں یا پھر اگر موجود ہے تو اسے ہم جان نہیں سکتے؛ لہٰذا وہ معدوم کے حکم میں ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مفروضہ میں خدا اور خودی اور ان کی صفات کا انکار شامل ہے۔ لیکن اس مفروضہ کے غلط ہونے کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ یہ خود اپنی تردید کرتا ہے۔ اگر یہ مفروضہ فی الواقع صحیح ہے اور سچائی پر مبنی ہے تو ہم اسے ایک صداقت قرار نہیں دے سکتے کیونکہ اس مفروضہ کو کسی شخص نے براہِ راست حواسِ خمسہ سے دریافت نہیں کیا بلکہ یہ ایک عقیدہ یا مفروضہ ہے، یہ مفروضہ اپنی تردید خود کر دیتا ہے۔ مغرب

کے علمائے طبیعیات اس مفروضہ سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ طبیعیات کو کسی ایسے عقیدہ سے آغاز نہیں کرنا چاہیے جو سائنسی طریقوں سے یعنی براہِ راست حواسِ خمسہ کے مشاہدہ سے ثابت شدہ نہ ہو۔ لیکن ان کا یہ اصول خود ایک عقیدہ ہے جو سائنس کے طریقوں سے ثابت شدہ نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا عقیدہ پہلے موجود ہوتا ہے اور ان کی سائنسی تحقیق بعد میں پیدا ہوتی ہے، لہٰذا ان کی سائنسی تحقیق اس عقیدہ کو ثابت نہیں کرتی بلکہ ان کا یہ عقیدہ ان کی سائنسی تحقیق کی تشکیل کرتا ہے۔ اس طرح سے جب مغربی مفکر مابعد الطبیعیات اپنی سائنسی تحقیق کو اس عقیدہ سے شروع کرتا ہے کہ سائنسی تحقیق کو کسی عقیدہ سے شروع نہیں ہونا چاہیے' تو وہ اپنی تردید خود کرتا ہے اور اس بات کا ثبوت بھی بہم پہنچاتا ہے کہ جس عقیدہ سے وہ سائنس شروع کرتا ہے وہ غلط ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مغربی سائنس دان اپنی سائنس کو ایک عقیدہ سے ہی شروع کرتا ہے لیکن آخر مغرب کے سائنس دان یہ کہنے کے باوجود کہ سائنس کو کسی عقیدہ سے آغاز نہیں کرنا چاہیے اس بات پر مجبور کیوں ہیں کہ اپنی سائنس کا آغاز ایک عقیدہ سے کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان فقط محبت کا ایک جذبہ ہے اور محبت کسی مقصود یا مطلوب کے عمدہ یا حسین ہونے کے عقیدہ کا دوسرا نام ہے لہٰذا یہ ممکن ہی نہیں کہ انسان کا کوئی فعل ایسا بھی ہو جو کسی عقیدہ پر مبنی نہ ہو مثلاً ہر فعل سے پہلے اس کا فاعل یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس کا یہ فعل فلاں مقصد کو حاصل کرے گا اور اس کو انجام دینے کا فلاں طریقہ عمدہ اور حسین ہے اور یہ عقیدہ اگرچہ معمولی سا نظر آتا ہے لیکن آخر کار حقیقت کائنات کے کسی تصور سے یا کسی نظریہ زندگی سے ماخوذ ہوتا ہے۔ سائنسی تحقیق بھی چونکہ ایک انسانی فعل ہے وہ اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں اور ممکن نہیں کہ وہ اس عقیدہ سے آغاز نہ کرے۔

یہاں یہ سوال کیا جائے گا کہ مغربی ماہر طبیعیات کا یہ مفروضہ کہ صداقت وہی ہے جس کا مشاہدہ ہم براہ راست حواسِ خمسہ سے کرتے ہیں اگر سائنسی طریقوں سے ثابت شدہ نہیں تو پھر اس کی عقلی اور علمی بنیاد کیا ہے اور اسے کس بنا پر سائنسی تحقیق کا راہ نما عقیدہ بنا دیا گیا ہے۔ حیرانی کی بات تو یہی ہے کہ اس کی عقلی اور علمی بنیاد کوئی نہیں اور پھر بھی مغرب کے ماہرین طبیعیات نے اسے طبیعیات کی علمی اور عقلی جستجو کی راہ نمائی کرنے والے ایک عقیدہ کا مقام دے دیا ہے۔ یہ مفروضہ دراصل بعض لوگوں کے گٹھ جوڑ کا باہمی سمجھوتہ تھا جو مذہب عیسائیت کی ضرورتوں اور مصلحت اور

سیاست کے بعض تقاضوں کی بنا پر عمل میں لایا گیا تھا اور اس کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ سائنس اور سائنسدانوں کو کلیسا سے بچانے کے لئے بعض بہانوں سے خدا کے عقیدہ کو جو پہلے سائنس میں موجود تھا' سائنس سے خارج کر دیا جائے۔ مغرب کے علمی حلقوں میں بھی اب یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے سائنس کا مخصوص طریق تحقیق ایجاد کیا تھا اور سائنسی علوم کی بنیاد رکھی تھی وہ اسپین کے مسلمان تھے اور یہ لوگ سائنس کے موجد اس لئے بنے تھے کہ ان کے لئے قرآنِ حکیم کا ارشاد تھا کہ مظاہر قدرت کا مشاہدہ کر کے خدا کو پہچانو۔ چنانچہ انہوں نے خدا کی معرفت کی جستجو میں مظاہر قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کیا اور ان سے جو نتائج حاصل کیے ان کو ضبط تحریر میں لائے۔ آج ہم اسی قسم کے نتائج کو سائنس کا نام دیتے ہیں۔ چنانچہ دنیا کے ان پہلے سائنس دانوں کی سائنس خدا کے عقیدہ سے پیدا ہوئی تھی لہٰذا خدا کا عقیدہ اس کا مدار و محور تھا۔ لیکن جب ہسپانوی مسلمانوں کے حالات نے پلٹا کھایا اور وہ اسپین سے نکلنے پر مجبور ہوئے تو سائنس ان لوگوں کے ہاتھ آئی جو پولوسیت (PAULISM) یا جدید عیسائیت کے پیرو تھے۔ ان لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ دین اور دنیا الگ الگ چیزیں ہیں۔ دین پاک اور مقدس ہے اور دنیا ناپاک اور غیر مقدس لہٰذا سائنس جو دنیا سے تعلق رکھتی ہے' دین سے الگ راستہ نکالتی ہے اور دین کو خراب کرتی ہے لہٰذا اہل کلیسا نے سائنس اور سائنس دانوں کے خلاف مخالفت کا ایک طوفان برپا کر دیا اور سائنسدانوں نے اپنا بچاؤ اسی میں سمجھا کہ سائنس سے خدا کا عقیدہ نکال کر اس کو ایک خالص دنیاوی اور پلید قسم کی کاروائی کا درجہ دے دیں تو پھر اس کے خلاف کلیسا کو شکایت کا موقع نہیں رہے گا۔

اسی اثنا میں کلیسا اور ریاست کے افتراق نے اسے ایک شدید سیاسی ضرورت بنا دیا۔ کیونکہ ممکن نہیں تھا کہ پوپ کے اثر و نفوذ کو سائنسی علوم اور مکتب کے چور دروازہ سے داخل ہو کر بادشاہ کے کام میں دخل انداز ہونے کی اجازت دی جاتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کی درسی کتابوں سے خدا کا عقیدہ خارج کر دیا گیا۔ سائنس کی بے خدائیت کو ایک علمی رواج اور فیشن کی شکل دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کے سائنسدانوں اور فلسفیوں نے نادانستہ اور غیر شعوری طور پر اپنے استدلال پر جبر کرنا شروع کر دیا اور قدرتی بے ساختہ اور معقول استدلال کے جس راستہ پر انہیں خدا کا تصور دور سے سامنے نظر آتا وہ اپنے استدلال کو بزور اس راستہ سے ہٹا کر ایک اور راستہ پر ڈال دیتے

تا کہ خدا کا تصور راستہ میں آنے نہ پائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب انیسویں صدی کے نظریہ مادیت اور ڈارون کے نظریہ ارتقا ایسے سائنسی نظریات سائنس کی بے خدائیت کے رواج کے مطابق ڈھلنے لگے تو لوگ رفتہ رفتہ بھول گئے کہ یہ رواج ایک مذہبی عقیدہ پر اور ایک مصلحت اور سیاسی ضرورت پر مبنی ہے اور اس کی عقلی اور علمی بنیاد کوئی نہیں اور غلطی سے یہ سمجھنے لگے کہ یہ سائنس ہی کی ایک ضرورت ہے اور آج تک ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ انیسویں صدی کی مادیت اور ڈارون کے کے میکانکی نظریہ ارتقا کو بھی اب نئے حقائق نے روند ڈالا ہے۔ اگر حسی صداقت کا مفروضہ مغربی سائنسدانوں کا کوئی علمی اصول ہوتا اور محض خدا کے عقیدہ کے خلاف گٹھ جوڑ کا نتیجہ نہ ہوتا تو وہ ہر غیر حسی صداقت کو مسترد کر دیتے۔ لیکن وہ اس اصول کو کام میں لا کر صرف خدا ہی کے تصور کو ردّ کرتے ہیں اور باقی ہر صداقت کو جو ثابت ہو سکے خواہ وہ براہِ راست مشاہدہ میں آئے یا نہ آئے قبول کرتے ہیں اور اس طرح سے ثابت کرتے ہیں کہ ان کا یہ مفروضہ غلط ہے۔ صداقت وہی نہیں جسے ہم براہ راست اپنے مشاہدہ سے معلوم کریں بلکہ وہ بھی ہے جسے ہم براہ راست مشاہدہ سے تو معلوم نہ کر سکیں لیکن اس کے اثرات اور نتائج کو براہِ راست مشاہدہ سے معلوم کر سکیں۔ اس کی مثال ایٹم ہے۔ ایٹم کا جس قدر علم سائنس دانوں کو آج تک حاصل ہوا ہے وہ اس کے براہِ راست مشاہدہ پر نہیں بلکہ اس کے آثار و نتائج کے مشاہدہ پر اپنا دارومدار رکھتا ہے۔ خدا کا وجود بھی ایک ایسی ہی حقیقت ہے جس کا علم ہم اس کے براہ راست مشاہدہ سے حاصل نہیں کرتے بلکہ مظاہر قدرت کی صورت میں اس کے آثار و نتائج کے مشاہدہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر مغرب کے سائنسدان ایٹم کے آثار و نتائج کے مشاہدہ سے ایٹم کو ایک سائنسی حقیقت سمجھتے ہیں تو مظاہر قدرت میں خدا کے آثار و نتائج کے مشاہدہ سے خدا کو ایک سائنسی حقیقت کیوں نہیں سمجھتے؛ اس کی وجہ سائنس کی بے خدائیت کا وہی پُرانا نامعقول رواج، خدا کے تصور سے وہی پرانا ڈر اور اس کے خلاف وہی پرانا تعصب ہے جو کلیسا کی سائنس دشمنی سے پیدا ہوا تھا۔

جس چیز نے طبیعیات کے علم کو ممکن بنایا ہے وہ یہ ہے کہ طبیعیاتی مظاہر قدرت میں ایک نظم یا ORDER پایا جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ نظم ایک ایٹم میں، ایک سالمہ میں، ایک کرسٹل میں، برف کے ایک گالہ میں، نظام شمسی میں بلکہ ہر مادی مظہر قدرت میں موجود ہے اور یہ نظم اس

قدر جچا تُلا ہے کہ ہم اسے ہمیشہ ریاضیاتی اعداد ورموز میں بیان کر سکتے ہیں۔اس کنکری کی بڑھتی ہوئی رفتار بھی جو ایک اُونچے مکان کی چھت سے نیچے گرائی گئی ہو اور لو ہے کہ اس سلاخ کی بڑھتی ہوئی طوالت بھی جسے گرم کیا جا رہا ہو، ریاضیات کے ایسے اٹل قوانین سے مطابقت رکھتی ہے جو کائنات میں اس وقت بھی اپنا کام کر رہے تھے جب ہنوز دنیا میں کوئی ریاضیات جاننے والا بلکہ کوئی انسان اور کوئی متنفس بھی موجود نہ تھا۔ان قوانین کو کس ذہن نے سوچا تھا؟ جدید طبیعیات کی تحقیق کے مطابق مادہ فنا ہو جاتا ہے اور اگر کائنات کو برقرار رکھتے ہوئے اُسے رفتہ رفتہ کائنات سے نکال دیا جائے تو مادی مظاہر قدرت کے اندر جو چیز باقی رہ جائے گی وہ کچھ خیالی ڈھانچے اور کچھ ریاضیاتی نسبتیں ہوں گی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس لازوال اور اٹل ریاضیاتی نظم کو سوچنے والا ذہن ہی مادی مظاہر قدرت کی بنیادی حقیقت ہے۔اگر ان میں یہ نظم موجود نہ ہوتا یا زمان و مکان کے لحاظ سے وہ ہر وقت اور ہر جگہ مسلسل اور یکساں نہ ہوتا تو طبیعیات کی سائنس ممکن نہ ہوتی۔ماہر طبیعیات کا کام یہی ہے کہ وہ ان مظاہر قدرت میں نظم دریافت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور جب کسی مظہر قدرت میں یہ نظم دریافت کر لیتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس کی سائنس ایک قدم اور آگے بڑھ گئی ہے اور جب دریافت نہیں کر سکتا تو سمجھتا ہے کہ ابھی اس کی سائنس اس سمت میں ترقی نہیں کر سکتی۔

لیکن یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ قدرت میں نظم کی موجودگی کسی دارائے علم وحکمت اور اختیار وقدرت رکھنے والے ذہن یا شخصیت کی تخلیقی کاروائی کی معتبر علامت ہے۔اگر مکّی کے کچھ دانے سڑک پر بکھرے ہوئے ہوں تو آپ کہہ سکیں گے کہ شاید وہ سڑک پر جانے والے کسی چھکڑے سے اتفاقاً گر گئے ہیں۔لیکن اگر وہی دانے ایک باقاعدہ ہشت پہلو ریاضیاتی شکل میں آراستہ ہوں تو آپ فوراً کہیں گے کہ یہ کسی ایسے ذہن کی تخلیق ہے جو ریاضیاتی انداز میں سوچ سکتا ہے اور حسن اور کمال کا ذوق رکھتا ہے۔اسی طرح اگر آپ کسی ایسے جنگل میں جا رہے ہوں جس کے متعلق یہ بات مشہور ہو کہ اس میں آج تک کسی انسان نے قدم نہیں رکھا اور آپ اچانک کسی خوبصورت جھونپڑی کے پاس آنکلیں جس کے صحن میں سبزہ اور پھولوں کی کیاریاں بھی ہوں تو آپ فوراً کہیں گے کہ یہ کسی ذہن یا شخصیت کی تخلیقی کاروائی کا نتیجہ ہے اور یہ بات بالکل غلط ہے کہ

اس جنگل میں کبھی کوئی انسان نہیں آیا۔ظاہر ہے کہ نظم کے اندر مقصد بھی شامل ہے کیونکہ نظم کی تخلیق اور تکمیل خود ایک مقصد ہے اور مقصد ایک شخصیت ہی کا خاصہ ہوسکتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ طبیعیات کا محقق اپنے مشاہدہ اور مطالعہ قدرت سے نظم کی جستجو کر کے اور اسے دریافت کر کے یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ یہ کس کا ذہن ہے اور یہ کون سی شخصیت ہے جس کی تخلیقی کارروائی اور مقصدیت مادی کائنات کے ذرہ ذرہ میں آشکار ہے۔اس سوال کا عقلی اور علمی جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوسکتا کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے جو تخلیق کی قدرت اور علم اور حکمت اور حسن اور کمال کی محبت کے اوصاف رکھتا ہے اور چونکہ اس کا پیدا کیا ہوا نظم ہر جگہ اور ہر وقت ایک ہی رہتا ہے لہٰذا خالق کائنات ایک ہی ہے۔ یہ سوال چونکہ طبیعیات کی درسی کتاب پیدا کرتی ہے اس کا جواب بھی درسی کتاب ہی کو دینا چاہیے، کسی اور کتاب کو نہیں۔لیکن مغرب کا ماہر طبیعیات اس سوال کا جواب دینے سے گریز کرتا ہے بلکہ اس کا نوٹس ہی نہیں لیتا اور اس کی وجہ وہی سائنس کی بے خدائیت کا نامعقول رواج ہے۔لیکن ہمیں اس رواج کی پابندی کرنے کی ضرورت نہیں ہمیں چاہیے کہ ہم طبیعیاتی علوم کی درسی کتابوں کو نئے سرے سے اس طرح لکھیں کہ جہاں جہاں ہم نظم کے ثبوت پر پہنچیں وہاں اس نظم کو خالق کائنات کی تخلیقی کارروائی کی ایک شہادت کے طور پر بیان کریں اور اس کا کوئی ایک موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ دیں تا کہ طالب علم کے دل میں خدا کی محبت کا جوہر پیدا ہو اور اپنے کمال کو پہنچے۔

اب حیاتیاتی علوم کی درسی کتابوں کی طرف آیئے۔ان علوم میں زوآلوجی اور باٹونی وغیرہ شمار کیے جاتے ہیں۔ان علوم کی درسی کتابوں کا مواد بھی حسی صداقت کے نامعقول مفروضہ سے دبا ہوا ہے حالانکہ حیاتیاتی مظاہرِ قدرت میں نظم اور مقصد کے اوصاف جو کسی خلّاق علیم کی تخلیقی کارروائی کی معتبر علامت ہوتے ہیں' مادی مظاہر قدرت سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ موجود ہیں۔ایک سیل (CELL) یا خلیہ نظم اور مقصدیت کا حیرت انگیز شاہکار ہے۔اسی طرح سے ایک زندہ جسم حیوانی اور اس کا ہر عضو صرف آنکھ اور کان کی تخلیق میں علم، حکمت اور قدرت کے جو کمالات بروئے کار آتے ہیں ان پر ایک بڑی کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ایک زندہ جسم حیوانی کے اندرونی حیاتیاتی وظائف مثلاً عمل انہضام اور اس کی حیاتیاتی کیمیاء، حیاتین اور ذنا قین کی تیاری، دورانِ

خون، سانس کی آمدورفت، تناسل، ایک خاص طے شدہ جسمانی شکل کی جانب حیوان کی خودکارانہ نشوونما، اس کے اعضائے رئیسہ کا خودکارانہ عمل، زخموں کا خود بخود بھرنا اور بیماریوں کے خلاف صحت بحال کرنے والا خود بخود ظہور پذیر ہونے والا ردعمل: ان میں سے ہر وظیفہ ثابت کرتا ہے کہ حیوان کی پیدائش اور نشوونما ایک ایسے ذہن کے قادرانہ اور حکیمانہ تصرف میں ہے جو خود حیوان کا ذہن نہیں لہٰذا حیاتیات کی درسی کتابوں کا مواد بھی یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ یہ ذہن کس کا ہے؟ اور اس سوال کا عقلی اور علمی جواب بھی یہی ہے کہ کسی قادرِ مطلق خالق کائنات کا۔ لیکن یہاں مغرب کا درسی کتاب لکھنے والا پھر اس سوال کے جواب میں خاموش رہتا ہے۔ وہ یا تو حیاتیاتی مظاہر قدرت میں نظم اور مقصد کی موجودگی بالکل تسلیم ہی نہیں کرتا یا اگر تسلیم کرتا ہے تو اس طرح سے کہ کسی خالق کائنات کا تصور اس کی درسی کتاب میں راہ نہ پا سکے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ ارتقاء کو جو خالق کائنات کی عالمگیر ربوبیت کا ایک شاندار اور یقین افروز مظہر ہے' قدرت کی بے جان اور بے مقصد میکانکی قوتوں کی اندھا دھند کاروائی کا اتفاقی نتیجہ قرار دیتا ہے۔ اگر اس کی بات کو صحیح مانا جائے تو یہ بھی طالب علم کو ماننا پڑتا ہے کہ اگر قدرت کی یہی بے بصر قوتیں کسی اور طرح سے کام کرنے لگ جائیں تو ممکن ہے کہ آج جو انسان ہے وہ انسان نہ ہوتا بلکہ گندگی میں رینگنے والا کوئی کریہ المنظر کیڑا ہوتا۔ ہمیں چاہیے کہ ہم حیاتیاتی علوم کی درسی کتابوں کو خود نئے سرے سے اس طرح لکھیں کہ حیاتیاتی مظاہر قدرت کے اندر نظم اور مقصد کی تشریح کرتے ہوئے اسے خدا کی تخلیقی کاروائی کا نتیجہ قرار دیں اور ایسا کرنے کے لئے ہر موقع سے جو درسی کتاب کے مضمون کے اندر پیدا ہو' فائدہ اٹھائیں۔

نفسیاتی یا انسانی علوم میں مغرب سے مانگی ہوئی درسی کتابوں کے نقائص اور بھی زیادہ نمایاں اور افسوسناک ہیں ان میں وہ تمام علوم شامل ہیں جو انسان کے انفرادی اور اجتماعی اعمال کی حقیقت سے بحث کرتے ہیں۔ مثلاً فلسفۂ سیاست، فلسفہ اخلاق، فلسفہ اقتصادیات، فلسفہ قانون فلسفہ تعلیم، فلسفہ ہنر، فلسفہ تاریخ، نفسیات فرد اور نفسیات جماعت وغیرہ۔ ان کو نفسیاتی علوم اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ انسانی اعمال کے علوم ہیں اور انسانی اعمال کی جڑ انسان کی فطرت یا اس کی نفسیات میں ہے۔

مغرب میں یہ علوم محض بے ربط اور پراگندہ خیالات کے مجموعے ہیں اور ان کی حالت

اس قدرت خراب ہے کہ بعض مغربی حکما ان کو علوم کے معزز نام سے یاد کرنا بھی جائز نہیں سمجھتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی حکما کو انسان کی فطرت کا ہی علم نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ انسانی افعال کا سرچشمہ اور ان کا مقصد اور مدعا کیا ہے۔ ان علوم کی خراب حالت کے متعلق خود کچھ کہنے کی بجائے میں آپ کے لئے مغرب کے ایک نامور ماہر نفسیات میکڈوگل کی کتاب ''انتشارِ عالم'' (WORLD CHAOS) سے ایک اقتباس نقل کرتا ہوں:

''فطرتِ انسانی کے بارہ میں ہماری لاعلمی اب تک تمام انسانی اور اجتماعی علوم کی ترقی کے لئے سدراہ بنتی رہی ہے اور اب بھی بنی ہوئی ہے۔ یہ علوم ہمارے زمانہ کی ایک شدید ضرورت کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے بغیر ہماری تہذیب زوال بلکہ شاید مکمل تباہی کے شدید خطرہ کا سامنا کر رہی ہے۔ ہم علم نفسیات، علم اقتصادیات، علم سیاسیات، قانون، معاشرت اور اس کے علاوہ اور بہت سے فرضی علوم کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ لیکن سیدھی سادی حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام دل کش نام فقط ہمارے علم کے خلاؤں کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ فقط ان کے وسیع وعریض بے آباد صحراؤں کی واضح نشان دہی کرتے ہیں جن کی سیاحت ابھی تک نہیں کی گئی۔ لیکن یہ صحرا وہ ہیں کہ اگر ہماری تہذیب نے زندہ رہنا ہے تو ہمیں ان کو کسی قاعدہ کے تحت لانا ہی پڑے گا۔ میرا ادعا یہ ہے کہ اپنی تہذیب کے توازن کو بحال کرنے کے لئے ہمیں انسان کی فطرت اور سوسائٹی کی زندگی کا علم (منظّم کیا ہوا آراستہ کیا ہوا علم یا سائنسی علم) اس سے بہت زیادہ درکار ہے جو ہمیں اب تک حاصل ہوا ہے۔

لہٰذا یہ ہے وہ ایک طریق کار جس سے ہم اپنی تہذیب کو موجودہ غیر یقینی اور دن بدن زیادہ خطرناک ہونے والی حالت کا مداوا کر سکتے ہیں۔ ہمیں اپنے انسانی اور اجتماعی علوم کو پوری کوشش کے ساتھ ترقی دے کر فطرت انسانی اور اس کی فعلیتوں کے سچ مچ کے علوم کی شکل دینی چاہیے۔ انسانی اور اجتماعی علوم کی بنیاد دریافت کرنے اور ان کے طریق ترتیب وتدوین کو بہم پہنچانے کی ضرورت آج اتنی شدید ہے کہ پہلے کبھی نہ تھی۔ تو پھر علمی نقطہ نظر سے علاج کیا نکلا، میں اپنے جواب کو مختصر طور پر پیش کرنے

کے لئے یہ بتاؤں گا کہ اگر میں ڈکٹیٹر ہوتا تو کیا کرتا.....میں ہر ممکن طریق سے اس بات کی کوشش کرتا کہ ہمارے بہترین دماغوں کو طبیعیاتی علوم سے ہٹا کر انسانی اور اجتماعی علوم میں تحقیق کے کام پر لگا دیا جائے۔'' (ورلڈ کباس، صفحات 115,112,59,9)

حکمائے مغرب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انسان کی فطری خواہشات میں سے ایک خواہش ایسی ہے جو اس کے تمام اعمال کی قوت محرکہ ہے جو اس کی دوسری تمام خواہشات پر اور تمام اعمال پر حکمران ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے تمام سیاسی، اخلاقی، اقتصادی، علمی، فنی، قانونی، جنگی اعمال اس خواہش کے مظاہر ہیں اور جب تک ہم اس خواہش کو نہ جانیں ہم ان اعمال میں سے کسی عمل کو نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ اس کا کوئی فلسفہ لکھ سکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ مغرب کے حکماء نے آج تک ان اعمال کے جو فلسفے لکھے ہیں وہ انسان کی اس خواہش کو جانے کے بغیر لکھے ہیں جو اس کے اعمال کی قوت محرکہ ہے۔ لہٰذا اگر یہ فلسفے خود ان کو مطمئن نہ کر سکیں اور ان کے اپنے خیالات کے مطابق بے ربط خیالات کے پلندے ہوں تو اس میں تعجب کی بات کوئی نہیں۔

مغرب کے حکماء کی نگاہ ابھی تک اس حقیقت پر نہیں پڑی کہ انسان کے اعمال کی قوت محرکہ نصب العین کی محبت ہے جو فقط خدا کے نصب العین سے مکمل اور مستقل طور پر مطمئن ہوتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حسی صداقت کا مفروضہ ان کے آڑے آتا ہے اور وہ کسی ایسی صداقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں جس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ خدا کے تصور کو علم کے اندر لانے پر مجبور ہو جائیں۔ لیکن ہمیں کون سی چیز مانع ہے کہ ہم ان انسانی اور اجتماعی علوم کی درسی کتابوں کو اس حقیقت کی روشنی میں نئے سرے سے لکھیں کہ خدا کی محبت انسان کے اعمال کی اصلی قوت محرکہ ہے اور جب ایک انسان خدا کو نہ جانتا یا نہ سمجھتا ہو تو وہ اپنے اس جذبہ محبت کی تشفی کسی غلط نصب العین کی محبت سے کرتا ہے۔ اور اس کی طرف خدا کی صفات منسوب کرتا ہے تا کہ اپنی غلطی کو مکمل کر کے اپنے اس جذبہ کی مکمل تشفی کا اہتمام کرے۔ (ماخوذ از رسالہ ''اسلامی تعلیم'' مارچ، اپریل 1972ء)

قرآن مجید کی پانچ بنیادی اصطلاحات

نور ہدایت حیات وممات ارادہ صلوٰۃ

ارادہ

انجینئر مختار فاروقی

حکمت بالغہ کے اجراء (جنوری 07ء) پر قرآن مجید کی پانچ بنیادی اصطلاحات پر مضامین کا ارادہ ظاہر کیا گیا تھا۔ جس کے بعد ماہ مارچ 07ء میں لفظ ''نور'' پر مضمون شامل اشاعت کیا گیا تھا اور اپریل 07ء میں ''ہدایت'' کے عنوان پر قرآن و حدیث کے حوالے سے گفتگو ہوئی تھی۔ پھر جنوری 08ء میں ''حیات وممات'' پر اپنی بساط کے مطابق مختلف پہلوؤں سے قرآن مجید میں وارد الفاظ حیات اور ممات کی تشریح کی گئی تھی۔ بعدازاں ایک طویل وقفہ آ گیا اب اللہ تعالیٰ نے ہمت دی ہے اور اُسی کی توفیق سے لفظ ''ارادہ'' پر ذیل کی تحریر شامل اشاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی کتاب مبین کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی کما حقہ توفیق عطا فرمائے آمین (ارادہ)

ارادہ کا لفظ قرآن مجید میں مختلف ابواب سے آیا ہے اور اس کے کئی مشتقات استعمال ہوئے ہیں۔ یہ لفظ انسان کے لئے بھی استعمال ہوا اور خالق ارض وسماء اللہ تعالیٰ کی ذات جل جلالہ کے لئے بھی آیا ہے۔

ذیل میں مصباح اللغات سے لفظ ارادہ کے لغوی معنی مختلف ابواب سے نقل کیے جاتے ہیں:

باب نصر: راد یرود رَوْدًا و ریادا۔الشیء: طلب کرنا۔الارض: قیام کے لئے چراگاہ و پانی وغیرہ کی دیکھ بھال کرنا۔ قومہ مرعی او منزلا: قوم کے لئے چراگاہ یا منزل کی تلاش کرنے کی کوشش کرنا۔ کسی چیز کی تلاش میں گھومنا اور آنا جانا۔ (ثلاثی مجرد سے اسم فاعل 'رائـــد' مستعمل ہے۔ قافلہ کے لئے اگلی منزل تلاش کرنے والا جیسے ارشاد فرمایا

نبی کریم ﷺ نے اِنَّ الرَّائِدَ لَایَکْذِبُ اَھْلَہٗ)

باب مفاعلہ: راود مـراودۃ و روادا ۔ چاہنا۔فریب دینا، برائی کی ترغیب دینا، پھسلانا۔ارادہ کرنا۔

باب تفعیل: روّدہٗ۔طلب وجستجو پر اکسانا۔

باب افعال: اراد ارادۃ ۔چاہنا،خواہش کرنا،راغب ہونا۔برانگیختہ کرنا۔(اس سے اسم فاعل مُرِید اوراسم مفعول مُرَاد)

باب افتعال: ارتاد ارتیادا۔طلب کرنا۔

باب استفعال: استـــراد۔فرمانبردار ہونا،حکم اللہ کی جانب لوٹ آنا اور جھک جانا،چل پھر کر روزی طلب کرنا۔

خالق اور مخلوق کے درمیان حفظ مراتب

قرآن مجید میں ارادہ کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی آیا ہے اور انسان کے لئے بھی۔ تاہم خالق ومخلوق کے درمیان حفظ مراتب کا لحاظ ضروری ہے جب یہ لفظ خالق ارض وسما جل جلالہ کے لئے آئے گا تو اس کے معنی اور مفہوم میں اللہ تعالیٰ کی شانیں سامنے رکھ کر کوئی ترجمہ کریں گے اور جب یہ لفظ مخلوق اور انسانوں کے لئے آئے گا تو ترجمے میں مخلوق کی صفات اور شانوں کا لحاظ کیا جائے گا۔

ہماری دینی اصطلاحات میں بھی اور عام بول چال میں بھی کئی صفات اور شانیں ایسی ہیں جو خالق ومخلوق کے لئے الفاظ مشترک ہیں جیسے سمع ، بصر، حیات، علم وغیرہ تاہم ایسے الفاظ کے ترجمے میں درج ذیل باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ انسان شرک میں ملوث ہونے سے بچ سکے۔

اللہ تعالیٰ کی شان

جب کوئی صفت یا شان جیسے سمع ، بصر، حیات وغیرہ کا لفظ اللہ کے لئے آئے گا تو اللہ کی عظمت وجلالت کے شایان شان تین باتوں کا تصور اس کے ساتھ شامل ہوگا کہ :

☆ اللہ تعالیٰ کی تمام شانیں اور صفات اس کی ذاتی ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ کی تمام شانیں اور صفات اس کی ذات کی طرح قدیم ہیں۔

☆ اللہ تعالیٰ کی تمام شانیں اور صفات لامحدود ہیں۔

جبکہ ــــــــــــ انہی صفات کے الفاظ از قسم سمع، بصر، علم وغیرہ مخلوق میں سے کسی بھی شخص کے لئے استعمال ہوں گے تو خالق ومخلوق کے فرق کو سامنے رکھتے ہوئے درج ذیل تین ہی باتوں کو پیش نظر رکھیں گے۔

1۔ انسان کی تمام شانیں اور صفات مستعار اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں۔

2۔ انسان کی تمام شانیں اور صفات حادث ہیں اور ابدی بھی نہیں اور قدیم بھی نہیں جیسے صفت ''حیات'' میں ہر انسان کی ایک تاریخ پیدائش ہے اور ایک تاریخ وفات۔

3۔ انسان کی تمام شانیں اور اوصاف نہایت محدود ہیں۔ انسان کی سماعت و بصارت اور طاقت وغیرہ نہایت محدود حدود اربعہ رکھتی ہیں۔

ارادہ

قرآن مجید میں ارادہ کا لفظ لغت کے اعتبار سے مختلف انداز میں آیا ہے جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی آیا ہے اور انسانوں کے لئے بھی۔ ہم انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور ہماری ساری صفات اور اخلاق اللہ تعالیٰ ہی کی کسی ''شان'' کا مظہر ہیں۔ لہٰذا یہ بات اقرب الی الفہم ہوگی کہ یہاں ارادہ کے لفظ پر قدرے وضاحت سے گفتگو کرنے کے موقع پر ہم پہلے اللہ تعالیٰ کی اس اہم شان ''ارادہ'' پر ضروری اور ناگزیر حقائق کو ذہن میں تازہ کرلیں۔

اللہ تعالیٰ کی اہم شان ــــــ ارادہ

ارادہ اللہ تعالیٰ کی اہم شانوں میں سے ایک ہے۔ اس شان سے اللہ تعالیٰ کی کئی اور اہم شانوں کی طرف ذہن لامحالہ پلٹ جاتا ہے جیسے مشیت، قدرت، قوت، علم وغیرہ وغیرہ۔ ''ارادہ'' کی شان انسان کو ایک بااختیار، قادر، طاقت ور سب کچھ جاننے والے، مخالفتوں اور رکاوٹوں سے نہ ڈرنے والے 'اللہ' کی طرف متوجہ کر دیتی ہے۔

☆ یہ حقیقت اٹل ہے کہ جتنی بڑی ہستی ہوگی اس کا ارادہ اتنا ہی اعلیٰ، اٹل اور مضبوط ہوگا

اور اس کے برعکس ''ارادہ'' کی کمزوری اور ناپختگی ارادہ کرنے والی ''ذات'' اور ''ہستی'' کی کمزوریوں اور نقائص کو عیاں کرنے کا باعث ہوتی ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ خود مقتدر اور ساری کائنات کا خالق و مالک ہے لہٰذا اس کے ارادہ کی شان قرآن پاک میں یوں آئی ہے:

اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنَ (36-82)

''اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے''

اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ (05-01)

''اللہ جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے''

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ (02-253)

''لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے''

ارادہ کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے عَالِمُ مَا کَانَ اور عَالِمُ مَایَکُوْنُ کی شان عیاں ہے کوئی کام پہلے ہو چکا ہو وہ علم میں ہوگا تو اگلے کام کی اگلے درجے میں ضرورت و نوعیت سامنے رہے گی۔ اس سے ارادہ کرنے والی ہستی کے علم کامل میں اس متوقع کام کے ضرر رساں اور مخلوق کے لئے تکلیف دہ پہلو کا پورا ادراک اور شعور بھی شامل ہے تا کہ وہ اپنی مخلوق کو ان پہلوؤں سے بر وقت خبردار کر سکے اور بچانا چاہے تو اس کی مضرت سے بچا سکے۔ اور مخالف قوتوں کا بھی اندازہ ہونا ضروری ہے کہ اس فیصلہ اور ارادہ کی تکمیل سے کن قوتوں کو نقصان ہو سکتا ہے اور روئے ارض پر انسان کیا کر سکتا ہے اور کیا اچھے یا برے نتائج ہو سکتے ہیں۔

کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰھَا O اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰھَا O فَقَالَ لَھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ نَاقَۃَ اللّٰہِ وَسُقْیٰھَا O فَکَذَّبُوْہُ فَعَقَرُوْھَا O فَدَمْدَمَ عَلَیْھِمْ رَبُّھُمْ بِذَنْبِھِمْ فَسَوّٰھَا O وَلَا یَخَافُ عُقْبٰھَا O (18,11-91)

''قوم ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب (پیغمبر کو) جھٹلایا جب ان میں سے ایک نہایت بدبخت اٹھا تو اللہ کے پیغمبر (صالح) نے ان سے کہا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی

پینے کی باری سے حذر کرو مگر انہوں نے پیغمبر کا جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ تو اللہ نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا اور سب کو (ہلاک کر کے) برابر کر دیا اور اس کو ان کے بدلہ لینے کا کچھ ڈر نہیں''

ارادہ ـــــ اللہ تعالیٰ کی خصوصی شانوں میں ایک شان

اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کے حوالے سے لفظ ارادہ پر غور کرتے ہوئے قوائے فکر یہ و عملیہ لرزاں ہیں اور قلم پر اللہ تعالیٰ کی جلالت شان اور عظمت بے پایاں کا کوئی خفیف سا عکس ہے کہ آگے بڑھنے سے بار بار رُک جاتا ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کی پانچ بنیادی اصطلاحات میں سے تیسری اصطلاح پر جنوری 08ء میں گفتگو ہوئی تھی اور اب ستمبر 09ء ہے کہ بڑی ہمت کر کے قارئین حکمت بالغہ سے وعدہ خلافی کے ''الزام'' سے بچنے کے لئے نہایت محتاط انداز میں لفظ ارادہ پر اپنے تاثرات کو تحریر کر رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ بڑے معروف ہیں اور کئی دینی مزاج کے حامل لوگ انہیں روز پڑھتے ہیں اور انہیں 'یاد' رکھتے ہیں یہ اسماء حسنیٰ احادیث مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں اور ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ نے عام مسلمانوں کی سوچ کے لئے ایک قسم کا ''حدود اربعہ'' معین فرما دیا ہے کہ تمہاری سوچ ان خطوط پر رہے اور مثبت رہے تو ایمان کی سلامتی کی دلیل ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (17-110)

''اللہ کہہ کر پکارو یا 'الرحمٰن' کہہ کر، جس نام سے بھی پکارو، سارے اچھے نام اسی کے ہیں''

ایک طویل حدیث پاک میں ان اسمائے حسنیٰ کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے جو اسماء ہیں ان کی طرف اشارہ ہے (اس کا ضروری حصہ نیچے دیا جا رہا ہے پورا متن دوسری جگہ ترجمے کے ساتھ اسی شمارے میں موجود ہے)۔

اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ

كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِیْ مَكْنُوْنِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ (کنز العمال)

''میں تجھ سے تیرے ہر اس پاک نام کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جس سے تو نے اپنی ذات مقدس کو موسوم فرمایا، یا اپنی کسی کتاب میں نازل فرمایا، یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو تلقین فرمایا، یا اسے اپنے مخصوص خزانۂ غیب ہی میں محفوظ رکھا''

اللہ تعالیٰ کی کئی اہم شانیں ہیں جو ان 99 اسماء کی فہرست میں ہیں ــــــــــــ اسمائے حسنٰی کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کی پہچان کے کچھ نام ہیں ان کی اہمیت بھی ظاہر و باہر ہے۔ جیسے ''الٰہ'' ''رب'' وغیرہ۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰۤئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (03-18)

''اللہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے اور علم والے لوگ جو انصاف پر قائم ہیں وہ بھی (گواہی دیتے ہیں کہ) اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں''

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (02-163)

''اور تمہارا معبود ایک ہے اس بڑے مہربان اور رحم والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں''

اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ (20-14)

''بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں''

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (01-01)

''سب طرح کی تعریف اللہ ہی کو (سزاوار) ہے جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے''

وَ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ (6-164)

''وہی تو ہر چیز کا مالک ہے''

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ

مِنۡ خَوۡفٍ (3,4-107)

''لوگوں کو چاہیے کہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا''

اللہ تعالیٰ کی شان الٰہ اور رب ہونے پر یہ آیات نص قطعی ہیں لیکن ہم سب جانتے ہیں کہ اسمائے حسنیٰ کی فہرست میں الگ سے لفظِ الٰہ یا لفظ 'رب' استعمال نہیں ہوا اس طرح اللہ تعالیٰ کی شان ''ارادہ'' اور اس بات کا اظہار کہ اللہ جل جلالہٗ ایک ذی ارادہ ہستی ہے اس کے لئے کوئی لفظ اسمائے حسنیٰ میں استعمال نہیں ہوا۔ اس سے اس شان جلالت کی اہمیت کم نہیں ہوتی بلکہ لفظ 'رب' کی طرح اور بڑھ جاتی ہے لفظ رب کے اسمائے حسنیٰ میں نہ آنے کی جو توجیہ علماء حق نے کی ہے یا ممکن ہے وہ یہی ہے کہ رب ہونا اللہ جل جلالہٗ کی اتنی بنیادی شان ہے کہ اس کا اسمائے حسنیٰ کی فہرست میں نہ آنا اُس ذات بے ہمتا کے رب واحد ہونے کی دلیل ہے۔ اسی طرح ارادہ کی شان بھی اللہ تعالیٰ ایک ایسی ہمہ جہتی شان ہے کہ اس کے اسمائے حسنیٰ کی فہرست میں نہ آنے سے اہمیت کم نہیں ہوتی اس لئے کہ کسی مقتدر اور با اختیار ہستی کا تصور ممکن نہیں جو ارادہ نہ رکھتی ہو تو ہمہ مقتدر جل جلالہٗ اور مختار مطلق جل جلالہٗ ہستی کے بارے میں ارادہ کا فقدان تو کجا ارادہ کی کمزوری بھی اللہ تعالیٰ کی شان رفیع کے خلاف ہے اور سوچنا بھی سوءادب ہے۔

انسان ـــــ اشرف المخلوقات ـــــ با اختیار ہستی

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا فرمایا ہے اور عالمِ امر سے عالم خلق تک سب کچھ اس کی شانوں کا مظہر اور اسی کی قدرت، ارادہ، طاقت، علم اور اختیار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان تمام مخلوقات میں سے انسانوں کو اشرف المخلوقات کہا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِمَا خَلَقۡتُ بِيَدَيَّ .....(38-75)

''جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا''

وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِىۡۤ اٰدَمَ وَ حَمَلۡنٰهُمۡ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ (17-70)

''اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور جنگل اور دریا میں سواری دی''

انسان میں دونوں عالم جمع ہیں عالم امر بھی ہے اور عالم خلق بھی۔ عالم امر یعنی 'روح' بھی مخلوقات میں سے سب سے اعلیٰ مرتبہ اور بلند شان ہے اور جسم بھی تمام مخلوقات میں سے نہایت نفیس، اعلیٰ معیار، شعور ذات اور شعور الٰہ، محبت خداوندی اور نیکی بدی کے تصورات سے متصف ہونے کا اہل ہے۔ چنانچہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اسے احسنِ تقویم پر تخلیق اور اختیار کی 'امانت' کی سپردگی کے بعد اپنا خلیفہ کہا ہے۔

چنانچہ یہی انسان اگر اس اختیار کو صحیح صحیح اور فاطر فطرت کی مرضی کے تحت استعمال کرے تو نعم العبد ،ذی الایدی والابصار ،حضرت موسیٰ کی طرح اللہ سے ہم کلام، آسمانوں کا 'مسافر' (صاحب معراج)، عبدہٗ کے القابات سے نوازے جانے کے قابل ہے اور اگر انسان یہی اختیار اس ذات خداوندی کی مرضی کے خلاف اور اپنی خواہشات کے تابع استعمال کرلے تو اسفل السافلین کہلانے کا مستحق، کالانعام، چلتی پھرتی لاش (اِنَّكَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰى) اور دیدار الٰہی سے محروم (اِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ) جیسے رسوا کن القابات کا حامل بن جاتا ہے اور اسی طرح حزب الشیطان میں شامل شیطان صفت انسان بھی ہیں جو حقیقتاً انسان کہلانے کے مستحق ہی نہیں۔

یہ انسان ــــــــــ بنی آدم اس دنیا میں اپنے ارادے سے بہت سے کام کرتا ہے، منصوبے بناتا ہے، مستقبل کے حسین خواب دیکھتا ہے پھر اُن کی تعبیر وتشکیل میں لگا رہتا ہے۔ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ انسان کا ارادہ واختیار مطلق نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے اختیار وارادہ کے تابع اور اس ذاتِ حق کی معین کردہ حدود کے دائرے کے اندر اندر ہے پھر انسانوں میں بذات خود کمزور، غلام، محکوم بھی ہیں اور سردار، حاکم، مطلق العنان حکمران اور خدائی کے دعویدار فرعون اور نمرود بھی ہیں۔ انبیاء کرام، صحابہ کرام، اولیاء کرام بھی ہیں۔ اچھے بھی ہیں بُرے بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور مخلوق کا ارادہ بسا اوقات ہم آہنگ ہوتا ہے انسان وہی کچھ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو یہ صورت حال بہت اچھی علامت ہے اور کائنات میں امن وامان کا باعث ہے اور کائناتی توازن کو قائم رکھنے کے لئے ضروری بھی ہے (وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَاتُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ 57-9)

ایسی صورت میں انسان اللہ کا ہاتھ بن جاتا ہے اور حزب اللہ کی شان کا حامل بنتا ہے

اور وَمَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (17-8) کامصداق بنتا ہے ایسے شخص سے عداوت اللہ عداوت قرار پاتی ہے۔ اللہ اکبر ــــــــــ انسان ہوکر یہ شان بلند۔

بصورت دیگر اگر انسان اپنے اختیار کو اپنی مرضی سے استعمال کرے اور خالق و مالک کے اختیار اور ارادے سے اس کے منصوبے ارادے اور رویّے ٹکرا جائیں تو ایک حد تک تو اللہ تعالیٰ اس لئے برداشت کرتے ہیں کہ انسان کو دنیا میں (اِمَّا شَاکِرًا وَ اِمَّا کَفُوْرًا) کامل بااختیار انسان اور خلیفہ بنا کر بھیجا ہے اور اصلاً انسان کو اپنے اعمال کا آخرت میں حساب کتاب دینا ہے اگر دنیا میں نافرمانی ممکن ہی نہ ہوتو آخرت میں حساب کس بات کا ہوگا۔ یہاں اللہ تعالیٰ انسانوں کو آزمائش سے دوچار کرنے کے لئے محدود طور پر نافرمانی، فسق وفجور اور بغاوت طغیانی اور خدائی کے دعوؤں پر بھی فوراً گرفت نہیں کرتا۔ چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

وَمَا تَشَآءُ وْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (29-81)

''اورتم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو اللہ ربُّ العالمین چاہے''

اصلاً ــــــــــ اچھائی کا ارادہ ہو یا برائی کا انسان اللہ تعالیٰ کے اجازت اوراذن سے ہی نیکی یا برائی کرتا ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نیکی سے خوش اور برائی پر ناراض ہوتا ہے۔ یہ بات اس نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے اور ارسال کتب کے ذریعے مخلوق پر واضح کر دی ہے۔

لہٰذا ــــــــــ بظاہر احوال انسان کی بڑائی اور عظمت اس میں نظر آتی ہے کہ وہ بااختیار رہو اور اپنے ارادے بنائے اور ان کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی جلالت شان کا تقاضا ہے کہ اس کے ارادے سے کوئی نہ ٹکرائے اور اس کا مطلق ارادہ مطلق اختیار اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کی مرضی اور منشا کے خلاف کوئی حرکت سرزد نہ ہونے پائے۔

بایں صورت حال معرفت اور شعور کی انتہا یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اس کائنات میں بااختیار سمجھتے ہوئے اور جنت کا مستحق بنانے کے لئے ایمان کے تقاضے تو پورے کرے تاہم عملاً اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اختیار کے سامنے اپنے آپ محکوم ومجبور محسوس کرے۔

کائنات کی حکمت سمجھنے کے لئے اولاً ضروری ہے کہ انسان کو بااختیار اور صاحب ارادہ ہستی تصور کیا جائے اور اپنے اعمال میں خیر وشر کے اختیار کرنے میں خودمختار۔ تاکہ آخرت اور اس

کی تفاصیل حساب کتاب، جنت دوزخ وغیرہ کا یقینی ہونا نظر آئے ــــــــــ تاہم اللہ تعالیٰ کی شان مطلق اور قوت واقتدار کی ہیبت کا تقاضا ہے کہ اس کے سامنے ساری کائنات کو گھاس کے تنکے کے برابر بھی اہمیت نہ دی جائے۔

حقیقت اس کے بین بین ہے اور یہی اعتدال ہی معرفت خداوندی کا حاصل اور اللھم ارنا الحق حقاً وارنا الباطل باطلاً کا مصداق ہے۔اسی بات کا سبق سکھایا ہے ہمیں نبی اکرم ﷺ نے دعائے استخارہ میں جہاں سیاق وسباق میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور انسان کی قدرت کا تقابل سا آ گیا ہے وہاں الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَقْدِرُ وَ لَااَقْدِرُ ـــــ وَتَعْلَمُ وَ لَااَعْلَم ـــــ وَ اَنْتَ عَلاَّمُ الْغُیُوْبُ

''اے اللہ تجھے کل قدرت حاصل ہے اور مجھے کوئی قدرت حاصل نہیں۔تو سب کچھ جانتا ہے اور میں کچھ نہیں جانتا اور تو سب غیبوں کا بھی خوب جاننے والا ہے''

انسان کا کمال معرفت یہ ہے کہ جوں جوں اللہ کی معرفت بڑھتی جائے اپنی مرضی اور اختیار کو اس (اللہ تعالیٰ) کی مرضی کے سامنے قربان کرتے ہوئے اس کی علیحدہ کوئی صورت اور مدعا کی نفی کرتا جائے۔

کسی دوسرے کا ارادہ جاننا

عام انسانی زندگی میں جہاں اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلتیں دی ہیں تا کہ کائنات کا نظام چلتا رہے کوئی با اختیار ہے تو دوسرا غلام اور محکوم، کوئی سرمایہ دار ہے تو کوئی غریب، کوئی بادشاہ تو بعض رعایا۔ یہاں سب انسان ہیں لیکن عام انسان اپنے سے اوپر اور زیادہ علم والے انسان کی بات اور اس کے ارادے اور منصوبے نہیں سمجھ سکتا۔مغربی اقوام گذشتہ تین صدیوں سے ٹیکنالوجی کے زور پر دیگر اقوام عالم کو جانوروں کی طرح ہانک رہی ہیں اور اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر رہی ہیں۔انسانی معاملات میں سب سے اہم اور اعلیٰ کام سیاست،حکومتوں کو چلانا اور انسانوں پر حکمرانی ہے بڑی حکمرانی ہو تو بڑا ذہن اور صلاحیت درکار ہے۔اس بات کو علامہ اقبال نے ایک مثال میں شطرنج سے سیاست کے کھیل کو مشابہت دے کر سمجھایا ہے کہ سیاست کے کھیل

میں وزیر مشیر، وزیر اعظم، صدر اور عالمی طاقتیں بظاہر الگ الگ ہیں مگر ایک دوسرے کو استعمال کرتے ہیں۔ وزیروں مشیروں کو تو کیا اندازہ ہوگا بعض اوقات ملکوں کے سربراہوں کو بھی عالمی سیاست گروں کے صہیونی منصوبوں کا علم نہیں ہوتا۔ حالانکہ سب انسان ہیں۔

اس کھیل میں تعیین مراتب ہے ضروری
شاطر کی عنایت سے تو فرزیں ہیں پیادہ
بے چارہ پیادہ تو ہے اک مہرۂ ناچیز
فرزیں سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ

خالق ارض وسما، ہمہ مقتدر، مختار مطلق

اور اس کے ـــــ ارادے

انسان ہوتے ہوئے ہم اپنے جیسے انسانوں کے ارادے نہیں بھانپ سکتے تو انسان ہوتے ہوئے ارادۂ خداوندی کا اندازہ لگانا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہیبت، جلالت شان اور وسیع وعریض کائنات کا واحد مالک ورب والہ جس کا حکم ساری کائنات میں جاری وساری ہے.....اس کے ارادہ کی حدود معین کرنے کی کوشش کیا سوچنا بھی انسان کا اپنے مقام سے تجاوز ہے اور واقعی

اگر یک سرموئے برتر پرم ز سوز تجلی بسوزد پرم

کا مقام ہے۔

قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کے اہل مکہ میں حق تبلیغ ادا کرنے کے باوجود ـــــ فیصلہ خداوندی کا انتظار ہے اور اس انتظار میں بھی شان عبدیت کا اظہار ـــــــــ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

وَ اِنْ اَدْرِیْ أَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَاتُوْعَدُوْنَ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ وَ اِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنَ (21ـــ111-109)

''اور مجھے معلوم نہیں کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا دور ہے۔ جو بات پکار کر کی جائے وہ اسے بھی جانتا ہے اور جو تم پوشیدہ کرتے ہو اس سے بھی واقف ہے۔ اور میں نہیں جانتا شاید وہ تمہارے لئے آزمائش ہو اور ایک مدت تک (تم اس سے) فائدہ (اٹھاتے رہو)''

اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اللہ تعالیٰ کے ''نفس'' میں کیا (سوچ) ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے اس سوال پر کہ کیا آپ نے عیسائیوں کو کہا تھا مجھے اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ''دو الٰہ'' مان لیں' عرض کریں گے

سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَ لَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (05-116)

''تو پاک ہے مجھے کب شایاں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں اگر میں ایسا کہا ہوگا تو تجھ کو معلوم ہوگا (کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے ضمیر میں ہے اسے میں نہیں جانتا بے شک تو علام الغیوب ہے''

انسان کا کمال عبدیت و معرفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی عظمت و جلالت کے سامنے اپنی عظمت و شان کو عارضی، ہیچ اور مستعار سمجھے اور عاجزی اور انکساری کے ساتھ اس ذات جل جلالہٗ کی بندگی میں لگا رہے۔

قرآن مجید اور ارادۂ خداوندی

قرآن مجید میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ کے لئے ارادہ کا لفظ آیا ہے اُن میں چند یہ ہیں۔

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا (2-26)

''اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے خدا کی مراد کیا ہے''

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَا اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا (18-82)

''تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور پھر اپنا خزانہ نکالیں''

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا (25-62)

''اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن ایک دوسرے کے پیچھے آنے (جانے) والا بنایا (یہ باتیں) اس شخص کے لئے جو غور کرنا چاہے یا شکرگزاری کا ارادہ کرے (سوچنے اور سمجھنے کی ہیں)''

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً (17-33)

''کہہ دو اگر اللہ تمہارے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو کون تم کو اس سے بچا سکتا ہے یا اگر مہربانی کرنا چاہے (تو کون اس کو ہٹا سکتا ہے)''

أَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (72-10)

''اہل زمین کے حق میں برائی مقصود ہے یا ان کے پروردگار نے ان کی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے''

مَاذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا (74-31)

''اس مثال (کے بیان کرنے سے) اللہ کا مقصود کیا ہے''

اِنْ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهٖ (39-38)

''اگر اللہ مجھے تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا وہ اس تکلیف کو دور کر سکتے ہیں''

فَاَرَدْنَا اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَ اَقْرَبَ رُحْمًا (18-81)

''ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کی جگہ ان کو اَور (بچہ) عطا فرمائے جو پاک طینتی میں بہتر اور محبت میں زیادہ قریب ہو''

لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ (21-17)

''اگر ہم چاہتے کہ کھیل (کی چیزیں یعنی زن و فرزند) بنائیں تو اگر ہم نے کرنا ہی ہوتا تو ہم اپنے پاس سے بنا لیتے''

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ (17-18)

''جو شخص دنیا کی آسودگی کا خواہش مند ہو تو ہم اس میں سے جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں''

ان آیات پر غور کرنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خیر، امانت، عدالت، صدق، حیا اور ہدایت کا فروغ چاہتے ہیں۔ یہ ساری شانیں اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ شانیں ہیں اور اثباتی شانیں ہیں جب کہ اس کائنات کو جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا ہے اور

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً (77-2)

''اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے''

اللہ تعالیٰ نے انسان کا جسم اور دوسرے عالم حیوانات کی 'حیات' اور 'موت' کو تخلیق کیا ہے لہٰذا اس عارضی حیات اور موت کے جلو میں فنا، بوسیدگی، تھکاوٹ، نیند، آرام، بیماری، شفا، غفلت، نسیان، حیوانی جذبات جیسے عوارض حیاتِ دنیوی کا جزو لازم قرار پاتے ہیں۔

اس دنیا میں ہدایت کے ساتھ ضلالت، نور کے ساتھ ظلمت، عدل کے ساتھ ظلم، دیانت کے ساتھ بد دیانتی اور صداقت کے جلو میں کذب، تصدیق کے ساتھ تکذیب و کفر جیسے اوصاف انسانوں میں ہیں۔ یہ منفی اوصاف صاف ظاہر ہے انسان کی حیات دنیا میں عارضی زندگی میں امتحان کے لئے امکان کے درجے میں سامنے آتے ہیں اور اسی وجہ سے انسان کے لئے قیامت کے دن حساب و کتاب اور جنت و دوزخ بنائی گئی ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ ان منفی اوصاف کو پسند نہیں فرماتا بلکہ ایمان اور احسان کو پسند فرماتا ہے جب کہ کذب، تکذیب، ظلم، ناانصافی، چوری ڈاکہ، فسق و فجور، حق کے مقابلے میں حزب الشیطان میں شامل ہو جانے کو ناپسند کرتا ہے۔ یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں اور کتابوں کے ذریعے انسانوں تک پہنچا کر اتمام حجت کر دیا۔

چنانچہ ان منفی اوصاف کے ضمن میں فرمایا ہے:

وَ مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ (40-31)

''اور اللہ تو بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا''

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ (91-5)

''شیطان تو چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے سبب تمہارے آپس میں دشمنی اور رنجش ڈلوادے''

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبُ عَلَيْكُمْ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوَاتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (4—28-26)

''اللہ چاہتا ہے کہ (اپنی آیات) تم کھول کھول کر بیان فرمائے اور تم کو اگلے لوگوں کے طریقے بتائے اور تم پر مہربانی کرے اور جو لوگ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستے سے بھٹک کر دور جا پڑو، اللہ چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان (طبعًا) کمزور پیدا ہوا ہے''

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (61-8)

''یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافر ناخوش ہی ہوں''

ہدایت اور ارادۂ خداوندی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیجا ہے، بہت سی صلاحیتوں سے نوازا ہے اور ہدایت و گمراہی میں اپنی خدا داد صلاحیتوں کو کام میں لاتے ہوئے ہدایت کو اختیار کرنے کی ہمت بخشی ہے۔ مگر بعض انسان دنیاوی لالچ اور حب عاجلہ کی وجہ سے یہ فیصلہ نہیں سکتے لہٰذا وہ ہدایت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَ مَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (6-125)

''تو جس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے

اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔اس طرح اللہ ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے عذاب بھیجتا ہے''

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَدْحُوْرًا(18-17)

''جو شخص دنیا کی آسودگی کا خواہش مند ہو تو ہم اس میں سے جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں پھر اس کے لئے جہنم کو ٹھکانا مقرر کر دیا جاتا ہے جس میں وہ نفریں سن کر اور (درگاہ خدا سے) راندا ہو کر داخل ہوگا''

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (19-17)

''اور جو شخص آخرت کا خواستگار ہو اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اسے لائق ہے اور وہ مؤمن بھی ہو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگتی ہے''

ارادہ خداوندی ـــــ بے ضمیر بے حیا اور جانوروں کی سطح پر گر جانے والی قوموں کی بیخ کنی

دنیا میں جب ہدایت وخلافت کے لئے انسانی CHOICE کا معاملہ ہے تو مسلمان اور کافر دونوں طرح کے لوگ دنیا میں موجود ہیں اور رہیں گے اللہ تعالیٰ صرف کفر پر موت نہیں بھیجتے اور نہ کسی کا رزق بند فرماتے ہیں۔اس لئے کہ یہ تو اس دنیا کا اصول ہے کہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے جب کہ فیصلے (جنت ودوزخ) قیامت کے دن ہوں گے۔

تاہم بعض قومیں گمراہی میں پڑ کر خود بھی انسانیت کے لئے عار اور ننگ انسانیت بن جاتی ہیں، حیوانیت کے مقام پر گر جاتی ہیں اور حیوانوں جیسی زندگی گزارنے لگتی ہیں جس میں لباس ختم، عریانی کا رواج، شرم وحیا ختم، رشتوں کی تمیز ختم اور ضمیر یعنی دائمی اور اخلاقی قدریں بھی ختم ایسی قومیں بظاہر انسان نظر آتی ہیں حقیقتاً.....کالانعام..... بلکہ.....حیوانوں سے بھی بدتر ہوتی ہیں۔

بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ یہ قومیں اپنی تہذیب وتمدن اور عریانی وفحاشی کو تہذیب کا

کمال جانتے ہوئے باقی تمام دنیا کو بھی اپنے جیسا بنانے کے درپے ہو جاتی ہیں۔

جیسے آج کا مغرب اپنے تہذیب و تمدن میں حیوانوں کی سطح پر گر گیا ہے اور VALUELESS اور IMMORAL معاشرہ پیدا کر چکا ہے۔ 1960ء کے بعد اب تک ایسی دو نسیں میدانِ عمل میں آ چکی ہیں جو عملاً حیوان ہیں ان کا لباس یا کچھ انسانی اطوار ATTIQUETTES تو محض دکھاوا ہے۔

بھارت بھی مغرب سے کہیں پہلے مغربی تہذیب میں بہت نیچے گر چکا تھا۔ مغرب آج برائی کے باوجود ان چیزوں کو بڑا اور اپنی تہذیب کا نشان سمجھتا ہے۔ مگر ہندو ذہن بھارت میں بے حیائی کے عریاں اور مکروہ مناظر اپنے مندروں میں سجائے رکھتا ہے اور اس کی یاترا اور پوری فیملی کے ساتھ زیارت کو ثواب اور آخرت میں 'سُرگ' میں جانے کا باعث سمجھتا ہے۔ اسی لئے آج کا بھارت مغرب کے لئے 'استاذ' کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے کہ مغرب صرف برائی کر رہا ہے جب کہ بھارت برائی اور عریانی فحاشی کو پوجتا ہے۔ جب قومیں اس سطح پر گر جائیں تو اللہ تعالیٰ کسی غزنوی کو اٹھاتا ہے اور تاکہ اس تہذیب کے نشانات کو مٹا دیتا ہے اور وقت کے سومنات تباہ کر دیتا ہے۔ اس کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے۔

وَاِذَا اَرَدْنَـا اَنْ نُّهْـلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيْرًا (17-16)

''اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش پر) مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے پھر اس پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اسے ہلاک کر دیا''

آج کی مغربی تہذیب اور بھارت کی تہذیب اس آیت کی رو سے عنقریب صفحۂ ہستی سے مٹنے والی ہے جو اس سے دوستی کرے گا وہ بھی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔ بھارت سے دشمنی کی پالیسی ہی اسلام اور مسلمانانِ پاکستان کے لئے حیات جاودانی اور بقائے دوام کی مظہر ہے۔ کاش امریکہ کے لئے بھی ہمارے حکمرانوں کو یہ حقیقت سمجھ آ جائے۔ آمین

ایک دعائے ماثورہ

عبدیت کاملہ کا مظہر اتم

اور

"شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ" کی کامل تفسیر

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ عَبْدُكَ

اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں

وَ ابْنُ عَبْدِكَ وَ ابْنُ اَمَتِكَ

اور تیرے ایک ادنیٰ غلام اور کنیز کا بیٹا ہوں

فِیْ قَبْضَتِكَ نَاصِیَتِیْ بِیَدِكَ

مجھ پر تیرا ہی کامل اختیار ہے اور میری پیشانی تیرے ہاتھ ہے

مَاضٍ فِیَّ حُكْمُكَ عَدْلٌ فِیَّ قَضَائُكَ

میرے بارے میں تیرا ہر حکم نافذ ہے اور میرے معاملے میں تیرا ہر فیصلہ عدل ہے

اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ ھُوَ لَكَ

میں تجھ سے تیرے ہر اس پاک نام کے واسطے سے سوال کرتا ہوں

سَمَّیْتَ بِہٖ نَفْسَكَ

جس سے تو نے اپنی ذات مقدس کو موسوم فرمایا

اَوْ اَنْزَلْتَہٗ فِیْ كِتَابِكَ

یا اپنی کسی کتاب میں نازل فرمایا

اَوْ عَلَّمْتَہٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ

یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو تلقین فرمایا

اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِہٖ فِیْ مَكْنُوْنِ الْغَیْبِ عِنْدَكَ

یا اسے اپنے مخصوص خزانۂ غیب ہی میں محفوظ رکھا

اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ

کہ تو قرآن کو بنادے

رَبِیْعَ قَلْبِیْ وَ نُوْرَ صَدْرِیْ

میرے دل کی بہار اور میرے سینے کا نور

وَ جِلَاءَ حُزْنِیْ وَ ذِهَابَ هَمِّیْ وَغَمِّیْ

اور میرے رنج وحزن کی جلا اور میرے تفکرات اور غموں کے ازالے کا سبب

(مسند احمد عن عبدالله بن مسعودؓ)

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

(سے ماخوذ شمارہ 31۔2009ء)

اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَا تِ

HEAVEN BENEATH HER HEALS

TAHIRA RABBANI

WHILE MASSAGING MY MOTHER'S FEET ONE NIGHT TO HELP HER SLEEP, I LOOKED AT THE CRACKS AND CREASES OF HER SOLES AND SAID, "SO HEAVEN IS UNDER HERE?" SHE LAUGHED ME OFF BUT WAS READY TO GIVE ME A LONG SPEECH OF HER TURMOIL AND PAIN IN RAISING US, HOPING THAT WE'D RETURN HER FAVORS BY RESPECT AND KINDNESS INSTEAD OF A GRUNT OR BY SENDING A SIMPLE SMILE HER WAY WHEN WE SAW HER IN THE ROOM.

NOW A MOTHER OF TWO CHILDREN (WITH NUMBER THREE ON THE WAY). I HOPE FOR THE SAME AND PROBABLY MORE FROM MY OWN BROOD, THOUGH I STRUGGLED FOR LESS THAN MY OWN MOTHER DID. WHY IS IT THAT ISLAM TELLS US HEAVEN LIES BENEATH A MOTHER'S FEET? IT RAISES MOTHERS TO AN IMMENSE HEIGHT FOR ALLL THAT THEY ENDURE

THROUGH THE FOUR ARDUOUS PHASES OF PREGNANCY (A FOURTH TRIMESTER?), A PAINFUL DELIVERY AND A LIFETIME OF RAISING CHILDREN AS TRUE MUSLIMS. BUT SOMETIMES I WONDER: DO WE MODERN MOTHERS DESERVE THIS RANK? SHOULD WE REST ASSURED THAT WE WILL?

PREGNANCY

WHEN I WAS FIRST PREGNANT, I KNEW I HAD TO MAKE SOME CHANGES. THE FIRST WAS TO STOP LISTENING TO MUSIC. NO LONGER DID I ATTEND TO IT DURING MY COLLEGE COMMUTE OR WHILE I WROTE MY PAPERS. I TRIED TO REMAIN POSITIVE AND PATIENT AS MY BODY UNDERWENT TEMPORARY AND PERMANENT CHANGES. I WOULD KEEP A POSITIVE ENVIRONMENT THROUGH HOW I SPOKE ABUOUT MY PREGNANCY AND WITH WHOE I SPOKE. WHENEVER I FELT LIKE THE FETUS WAS TAKING OVER MY BODY, I HAD TO REPEATEDLY REMIND MYSELF OF THE AMAZING, ALMOST SUBLIME EXPERIENCE I WAS HAVING. WHILE NON-MUSLIM WOMEN MIGHT FACE CERTAIN RESTRICTIONS LIKE NOT SMOKING OR DRINKING DURING PREGNANCY, MUSLIM WOMEN OFTEN COME TO A SUBTLER SET OF LIMITS. THINK OF THE KINDS

OF THINGS WE LISTEN TO, WATCH ON TELEVISION, THE PLACES WE GO, THE SOCIAL GATHERINGS WE ATTEND, AND THE COMPANY WE KEEP. THESE THINGS SHOULD CHANGE TO KEEP A SIMPLE, ISLAMIC ENVIRONMENT FOR THE UNBORN CHILD. THINK OF HOW THE PROPHET MOHAMMAD (SAW) NEVER ATTENDED FESTIVALS AND WEDDINGS BEFORE ANNUNCIATION. AND WHEN AS A YOUNG MAN HE THOUGHT TO GO, ALLAH SOOTHED HIM TO SLEEP UNTIL THE EVENTS PAST. THIS KEPT HIM PURE EVEN BEFORE THE ANNOUNCEMENT OF HIS PROPHETHOOD. MOST IMPORTANTLY, WE SHOULD ALL EAT HALAL, FOR THIS HAS A DEFINITE EFFECT ON US. WE TRULY ARE WHAT WE EAT. THE FETUS CONSUMES WHAT THE MOTHER DOES AND PURITY ITSELF IS AT ISSUE. IMAGINE HOW MANY THINGS WE EAT KNOWINGLY AND UNKNOWINGLY THAT AREN'T HALAL. PREGNANCY COMES WITH CRAVINGS BUT DO WE REALLY NEED THOSE FRIES FROM THE FAST FOOD PLACE, WHICH ARE MOST LIKELY FRIED WITH OTHER HARAM FOODS? ALWAYS QUESTION AND ASK ABOUT WHERE FOOD COMES FROM BEFORE LETTING IT COME IN CONTACT WITH YOU.

APART FROM FOOD, MOTHERS-TO-BE CAN TAKE CARE OF THE WORDS THAT LIE ON THEIR TONGUES. CONTINUAL RECITATION OF THE QURAN CAN BE SUPPLEMENTED WITH DHIKR OF ALLAH. TAKE FROM THE EXAMPLE OF ALLAH'S PROPHETS:

> "THE PATRIARCH PROPHET IBRAHEEM RECITED: O MY LORD GRANT ME A RIGHTEOUS SON." (37:100)

AND WHEN THE MOTHER OF MARYAM FOUND HERSELF PREGNANT SHE SAID:

> " O MY LORD I DEDICATE TO YOU WHAT IS IN MY WOMB FOR YOUR SPECIAL SERVICE. SO ACCEPT THIS OF ME FOR YOU ARE THE HEARER AND KNOWER OF ALL THINGS" (3:35)

DEVOTION AND ENGAGEMENT IN SALAH AND REMEMBRANCE WILL ENSURE THAT WE BE REMINDED OF OUR PLACE AS HIS SERVANTS AND THAT HE WILL HELP US AND EASE FOR US WAYS TO RAISE OUR CHILDREN FOR WHAT THEY WERE MADE--TO BE HONEST SERVANTS OF OUR LORD AND CREATOR, ALLAH THE MOST HIGH. A MOTHER'S ENVIRONMENT, INSIDE AND OUT, HAS A DEFINITE EFFECT ON BABY.

LABOR AND DELIVERY

HOW GREAT A TRIAL FOR MOTHERS IS LABOR AND HOW GREAT A SIGN AND WITH WHAT PROFOUND MEANING. LICKILY, WE FORGET IT AND DECIDE TO HAVE MORE CHILDREN---ALTHOUGH I CAN'T SAY THE SAME FOR FATHERS. MANY MOTHERS OPT FOR TAKING ANESTHESIA IF THEY AREN'T SCHEDULED FOR A C-SECTION. THIS EASES LABOR TREMENDOUSLY. HOWEVER, THERE ARE SOME SETBACKS IN THAT A MOTHER IS AT SO MUCH EASE THAT SHE RETURNS TO USELESS TALK WITH WHOEVER IS IN THE ROOM. SHE MIGHT FORGET TO REMEMBER ALLAH AT THIS MERITORIOUS TIME. A WOMAN'S PRAYERS ARE SURELY ACCEPTED AND ANSWERED DURING LABOR. EVEN IF MOTHERS-TO-BE TAKE AN EPIDURAL OR HAVE A C-SECTION, IT IS ESSENTIAL TO REMEMBER ALLAH AND PRAY AND SUPPLICATE HIM BECAUSE THIS MOMENTOUS OCCURRENCE OF CHILDBIRTH ONLY RARELY COMES OUR WAY AND IS YET ANOTHER GIFT FROM ALLAH. A MOTHER SHOULD NOT FORGET THE SUNNAH OF TAHNEEK. THIS MAY BE GIVEN TO THE NEWBORN USING SOMETHING SWEET, LIKE A DATE SOFTENED

WITH MOTHER'S SALIVA OR IN WATER(ZAMZAM, IS GOOD) THEM INTRODUCED TO THE BABY'S MOUTH MOVING IT ALL AROUND FOR HIM OR HER TO TASTE. MORE SUNNAHS INCLUDE SHAVING OF THE BABY'S HEAD, GIVING SADAQAH, AND HAVING AN AQIQAH. PREGNANCY, FROM CONCEPTION TO THE BIRTH AND AFTERWARDS NEEDS TO---AND CAN BE---MADE MUCH MORE MEANINGFUL WHEN SURROUNDED WITH INCREASED REMEMBRANCE OF ALLAH AND MADE TO MEET THE SUNNAH OF THE PROPHET(SAW).

POSTPARTUM

MANY MAY THINK TAHT PREGNANCY ENDS AFTER THREE TRIMESTERS, BUT THERE IS A FOURTH---THE THREE MONTHS POST PARTUM. ADJUSTING TO BABY, NO MATTER HOW MANY CHILDREN YOU HAVE, TAKES TIME. IN THE SAME WAY, BREASTFEEDING IS SOMETHING LEARNED BECAUSE THE INSTINCT OF EACH CHILD IS "TRAINED" FROM POINT ZERO. MOTHERS TODAY EXPERIENCE NEW HURDLES IN BREASTFEEDING BECAUSE MOST OF THEIR OWN MOTHERS DID NOT BREASTFEED. HENCE, NEW MOMS MAY COME ACROSS A LACK OF FAMILY SUPPORT. IT IS ESSENTIAL TO HAVE SUPPORT (MAY BE AN

ELDERLY WOMAN IN THE NEIGHBOURHOOD) FOR SUCH AN IMPORTANT PART OF A MOTHER AND CHILD'S LIFE.

WOMEN CAN BEGIN THEIR OWN ISLAMIC GROUPS ABOUT MOTHERHOOD GEARED TOWARD RAISING CHILDREN ACCORDING TO THE SUNNAH. WHEN FEEDING A BABY, MOTHERS OUGHT TO ENSURE THEY ARE IN THE STATE OF WUDHU (WHEN THE POSTPARTUM PERIOD PASSES), RECITE BISMILLAH BEFORE FEEDING, AND PERHAPS READ THE QURAN ALOUD WHILE FEEDING. IT IS TEMPTING TO USE THE 15 TO 20 MINUTES OF STRICTLY NURSING TIME TO MAKE PHONE CALLS OR WATCH TELEVISION. BUT THIS BECOMES PART OF OUR STRUGGLE TO BECOME THOSE MOTHERS WHO OUR CHILDREN WILL THANK IN THE FUTURE. READING THE QURAN COULD LEAD TO SPIRITUAL GOOD IN A CHILD AND POSSIBLY EARLY MEMORIZATION AND RECITATION. RESEARCHERS TELL US THAT THE FETUS PICKS UP ON THE SOUNDS AND, AS A BABY, IS CALMER WHEN HEARING THOSE SAME SOUNDS. WHY NOT USE THIS TO OUR ADVANTAGE AND READ OR LISTEN TO THE QURAN REGULARLY SO THAT IT BECOMES A SOOTHING PART

OF OUR CHILDREN'S LIVES? SINCE ISLAM IS A WAY OF LIFE, CHILDREN ARE READY TO BEGIN LEARNING IT FROM BEFORE BIRTH.

BREASTFEEDING HAS ITS OBVIOUS BENEFITS FOR THE MOTHER AS WELL. THE MOTHER-CHILD RELATIONSHIP IS MORE INTIMATE. PHYSICALLY, THE MOTHER'S BODY MORE SEIFTLY RETURNS TO ITS PRE-PREGNANCY STATE. IN MOST CASES, A WOMAN IS LESS LIKELY TO CONCEIVE WITHIN THE NEXT 6 TO 12 MONTHS WITHOUT USING ANY PREVENTION. A WOMAN ALSO LOWERS RISK OF GETTING CERTAIN CANCERS AT A LATER AGE. IMAGINE HOW MUCH MILK A CHILD DRINKS IN SIX MONTHS, OR A YEAR, OR IN THE FULL TERM OF TWO YERAS AS ACCORDING TO THE QURAN:

> "AND MOTHERS BREASTFEED THEIR CHILDREN FORTWO YEARS.... " (2:233)

A MOTHER (AND THE FATHER) RECEIVES ALLAH'S BLESSINGS FOR EVERY DROP A CHILD DRINKS. THUS THE BOUNTIES OF NURSING A CHILD GO BEYOND THIS WORLD.

KEEPING AN ISLAMIC ENVIROMENT FROM PREGNANCY ON GIVES A CRADLE-TO-GRAVE

EXPERIENCE OF DIVINE LIGHT TO OUR CHILDREN. WHILE THE PROPHET(SAW) NEVER GAVE PARENTING "WORKSHOPS" TO HIS COMPANIONS, HE DID LEAVE THEM (AND US) HIS SUNNAH TO FOLLOW AND BE SUCCESFUL. WHEN WOMEN STRIVE FOR IDEAL MOTHERHOOD BY MAKING PREGNANCY A BLESSING AND EXPOSING THEIR CHILDREN TO ISLAM THROUGH THEIR OWN ACTIONS, ALLAH WILL PROTECT THEM AND GUIDE THEM TO BECOME IDEAL MUSLIMS. THEN MAYBE ALL MUSLIM MOTHERS WILL BE WORTHY OF THAT HIGH RANK AMONG THE WOMEN OF HEAVEN (COURTESY: AL-JUMUAH)

روزنامہ ندائے خلافت لاہور میں شائع ہونے والا ''حکمت بالغہ''
کے احیاءالعلوم نمبر مئی 09ء پر سید قاسم محمود کا تبصرہ

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے درسِ قرآن کا جو بیج لاہور کی سنگلاخ زمین میں بویا تھا، وہ اتنا بڑھا اور پھلا پھولا کہ اب صحرائے جھنگ کی سوکھی زمین سے ''حکمت بالغہ'' کی پتیاں اور ''احیاء العلوم'' کے پھول کھلنے لگے ہیں۔ درسِ قرآن نے پہلے ''قرآن اکیڈمی'' کے منظّم ادارے کی صورت اختیار کی، لاہور ہی میں نہیں بلکہ جھنگ میں بھی۔ جھنگ کی ''قرآن اکیڈمی'' نے بھی اپنے رنگ اور اپنے حالات کے مطابق ایک ماہوار جریدہ چند سال پہلے ''حکمت بالغہ'' کے نام سے شروع کیا جو اسلامی فلسفے کی ایک پرانی اصطلاح ہے۔ حکمت بالغہ نے مئی 2009ء میں اپنا خصوصی شمارہ ''احیاءالعلوم نمبر'' جاری کیا ہے، جو انجینئر مختار فاروقی صاحب نے مفتی عطاء الرحمٰن کی اعانت سے مدوّن کیا ہے۔

اس خصوصی نمبر کو چار موضوعات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ احیاءالعلوم کیا ہے؟ احیاءالعلوم کیوں ضروری ہے؟ احیاءالعلوم کیسے ممکن ہے؟ اور چوتھے حصے میں ''ریاست، نظام، تعلیم، معلم'' سے متعلق ضروری سوالات و مسائل کی وضاحت اور ان کے ممکنہ حل مشہور مفکر اور ماہر تعلیم ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم کی تحریروں سے اخذ کئے گئے ہیں۔ اس خصوصی شمارے کا انتساب عصر حاضر کی تین انقلابی شخصیات کے نام ان الفاظ میں کیا گیا ہے: ''اکبرالٰہ آبادی کی شاعری کا پیغام، ڈاکٹر علامہ اقبال کے ارمانوں کی تفسیر، ڈاکٹر رفیع الدین کے خوابوں کی تعبیر، جدید نظام تعلیم کو خدا شناس بنانے کی ضرورت کو اجاگر کرنے اور امت کے بیدار مغز ماہرین تعلیم کو جھنجھوڑنے والا''۔ ان مشہور و معروف شخصیات کے ساتھ ساتھ عام سچے مسلمانوں کو فراموش نہیں کیا گیا، بلکہ بڑی دل سوزی اور حکمت بالغہ کے ساتھ ان کے اوصاف کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:۔

''جو موجودہ خدا بیزار، خدا ناشناس، ابلیسی نظام تعلیم کو مشرف بہ اسلام کر کے خدا شناس اور وحی شناس بنانے کا عزم رکھتے ہیں، تا کہ اس نظام تعلیم سے فارغ ہونے والے لاکھوں نوجوان اس جذبے سے سرشار ہوں کہ پہلے پاکستان اور پھر عالمی سطح پر موجودہ سائنسی ترقی اور جدید سہولتوں کے ساتھ ساتھ شرم وحیا، عفت وعصمت، اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کے اندر آزادی، عدل وانصاف، مساوات، عدل اجتماعی، حاکمیت خداوندی اور کفالت عامہ کے تصورات کو حقیقی جامہ پہنانے کے لئے سب کچھ قربان کرنے کو سعادت سمجھتے ہیں''۔

اس انتساب کو ''احیاء العلوم نمبر'' کی تمہید یا اس کا منشور خیال کرنا چاہئے۔ اس خصوصی شمارے کے تمام مضامین کی سطر سطر میں یہ انتساب ایک پیغام کی صورت میں کہیں نمایاں اور کہیں غیر نمایاں طور پر پوشیدہ ہے۔ ''احیاء العلوم'' کی اشاعت وقت کا عین تقاضا اور نئی جمہوری حکومت کے تعلیمی نظام بنانے والوں کے لئے ایک چراغ راہ ہے۔

یہ خصوصی شمارہ جدید سائنس کو مذہب اور عقل کو وحی سے ہم آہنگ اور مطابق کرنے کی ایک بروقت، کامیاب اور مدلل کوشش ہے۔ اس کا مطالعہ تفصیل سے کرنا چاہئے۔ اس شمارے کی قیمت پچاس روپے ہے۔

برکات رمضان المبارک

مرحبا اے ماہِ رمضان مرحبا رب کا مہمان گھر ہمارے آ گیا
سب دلوں میں آ کے تو نے گھر کیا، داخلہ شیطان کا یوں بند کیا
تجھ میں اجر نفل ہے مانند فرض اور فرائض کا ملے ستّر گنا
معصّیت سے جو بھی تھے لتھڑے ہوئے جھاڑا پونچھا اور اجلا کر دیا
رحمتوں کی مچ گئی یوں لوٹ سیل آنے والا بھر کے دامن گھر گیا
ہو گئیں پرنور راتیں بھی تیری تیرے آنے سے اندھیرا چھٹ گیا
برکتوں سے سحر اور افطار کی یہ جہاں رشک ملائک ہو گیا
آ گیا دریائے رحمت جوش میں کوہ عصیاں کو جو لے جائے بہا
یہ بشارت ہے نبیؐ نے ہم کو دی اوّلیں عشرا ہے رحمت سے بھرا
وسطی عشرے میں ہے روزدار کی بخشش دی رب نے گناہوں کی سزا
نارِ دوزخ سے رہائی مل گئی اس کا ضامن آخری عشرا تیرا
تو اویسی کر نہیں سکتا شمار کہ ہیں احساں تجھ پہ اس کے بے بہا

انجینئر عبدالرزاق اویسی